# دین و دانش

ترتیب

عمرالدین بھیلار

کیڈٹ کالج لاڑکانہ

Marfat.com

# دین و دانش

ترتیب

عمرالدین بھیلار

ذخیرہ محمد اقبال مجددی لاہور

کیڈٹ کالج لاڑکانہ

Marfat.com

جملہ حقوق برائے ادارہ محفوظ

137151

کتاب: دین ودانش

مرتب: عمرالدین بھیلار

تعداد: 1000

اشاعت: 2011ع

ناشر: سندھیکا اکیڈمی، کراچی

قیمت: 200روپے

کیڈٹ کالج لاڑکانہ

پی او باکس 40، لاڑکانہ

فون: 074-4080091، فیکس: 4080460

ای میل: larkanians@yahoo.com

Marfat.com

# فہرست


| | | |
|---|---|---|
| پیش لفظ | پروفیسر محمد یوسف | 7 |
| عرضِ مرتب | عمر الدین، لیکچرار اردو | 9 |
| اور ہم خوار ہوئے تارکِ قرآں ہو کر | سکندر علی چنا | 11 |
| قرآن مجید کی جمع، تدوین و ترتیب | حافظ عبد الوہاب منگریو | 16 |
| علمِ تجوید و قرأت کی اہمیت و ضرورت | حافظ عبد الوہاب منگریو | 23 |
| قرآن میں اللہ کی قسموں سے کیا مراد ہے؟ | سکندر علی چنا | 28 |
| حدیث کی حفاظت، جمع، تدوین اور ترتیب | حافظ عبد الوہاب منگریو | 35 |
| توبۃ و استغفار: قرآن و سنّت کی روشنی میں | سکندر علی چنا | 43 |
| ذکرِ الٰہی | سکندر علی چنا | 58 |
| والدین اور اولاد کے حقوق (قرآن و سنت کی روشنی میں) | حافظ عبد الوہاب منگریو | 69 |
| آفات اللسان (نجات و عملی تدابیر) | حافظ عبد الوہاب منگریو | 77 |
| تصوف | سکندر علی چنا | 89 |
| حضرت ابو بکر صدیقؓ کی علمی خدمات | سکندر علی چنا | 96 |
| امام ابنِ ماجہؒ کے احوالِ زیست | حافظ عبد الوہاب منگریو | 107 |
| علامہ ابن تیمیہؒ کے حالاتِ زندگی | حافظ عبد الوہاب منگریو | 115 |
| ڈاکٹر محمدؐ حمید اللہ | سکندر علی چنا | 120 |




Marfat.com

| | | |
|---|---|---|
| حضرت لقمان حکیم کی نصیحتیں | سید محمّد جری عباس، جماعت: دوازدہم | 129 |
| سوانح حیات حضرت عبد اللہ شاہ غازیؒ | عمران خان نیازی، جماعت: یازدہم | 137 |
| عشقِ خدا اور خوفِ خدا | زیشان گل درانی، جماعت: دوازدہم | 145 |
| آدابِ دعا | سکندر علی لغاری، جماعت: دوازدہم | 149 |
| ماہِ رمضان کی برکات | محمّد علی زبیر، جماعت: دوازدہم | 152 |
| اسبابِ زوالِ امت | نائب صوبیدار انور حسین | 155 |
| مسلمانوں کے زوال کے اسباب | کیڈٹ محمّد ثاقب، جماعت: دہم | 161 |
| جہاد فی سبیل اللہ | تیمور خان، جماعت: یازدہم | 163 |
| اسلام: جدّت کردار کا پیغام | محمّد کاشف، جماعت: دوازدہم | 169 |
| نیوٹن کا تصورِ خدا | عمیر سانگی، جماعت: یازدہم | 171 |
| اسلام میں علم کی اہمیّت | شیخ فرخ مصطفیٰ، جماعت: ہشتم | 174 |
| اسلامی فنِ خطاطی | غلام شبیر جوگی | 177 |
| پاکستان کی مشہور مساجد | کامران رضا ابڑو، جماعت: دوازدہم | 181 |
| آسمانی کتابیں | مشتاق علی، جماعت: نہم | 186 |

# پیش لفظ

عصرِ رواں گلوبل ویلج کا دور ہے۔ انفارمیشن ٹیکنولوجی نے اذہانِ عالَم کو فکری محاذ پر کھڑا کر دیا ہے۔ سات بر اعظموں میں تقریباً سات ارب انسانی نفوس آنکھیں بند کر کے مُسلّح افکار اور نظریات کا مقابلہ نہیں کر سکتے۔ آج ہاتھ پر ہاتھ دھر کر بیٹھنا، اپنی تہذیب و تمدن کو صفحہ ہستی سے مٹانے کے لیے غیر اقوام کو منظم کوشش کی دعوت دینا اور ان کی حمایت اور حوصلہ افزائی کرنا ہے۔ اس لیے مسلم قوم کو اپنی تہذیب و تمدن کی بقا اور سلامتی کے لیے قرآن اور سیرت کا دامن تھامنا ہو گا۔

کیڈٹ کالج لاڑکانہ گذشتہ انیس برسوں سے نوجوان نسل کو جہاں جدید سائنسی اور ٹیکنالوجی دور کے تقاضوں سے ہم آہنگ کرنے کے لیے کوشاں ہے وہاں انہیں تہذیبی، تمدنی، تاریخی اور ثقافتی میدان میں عالمی افکار کا مقابلہ کرنے کے قابل بنانے میں مصروف ہے۔

اس کتاب کی اشاعت کا مقصد اساتذہ اور طلبہ میں مطالعہ کا شوق بیدار کرنا اور انہیں مستقبل کے لیے مستقل کتب بیں، کتاب شناس اور مردِ قلم بنانا ہے جو اب کالج کی مستقل روایت بن چکی ہے۔ اس کتاب سے پہلے بھی کالج کی طرف سے دینی موضوعات پر مندرجہ ذیل کتابیں شایع کی جا چکی ہیں۔

۱۔ سید الکونین ﷺ
۲۔ نورِ ہدایت (احادیث)
۳۔ سرورِ کائنات ﷺ
۴۔ قرآن اور سائنس
۵۔ انسانِ کامل ﷺ
۶۔ معلم القرآن (تجوید اور قرأت)
۷۔ خطبہء حجتہ الوداع

Marfat.com

ان کے علاوہ سالانہ "انڈس" اور سہ ماہی تخلیق (Creativity) کالج سے شایع ہونے والے مستقل رسالے ہیں۔ جن میں اساتذہ اور طلبہ کی تحریریں شامل ہوتی ہیں۔

یہ کتاب اساتذہ اور طلبہ کی اسلامی موضوعات پر تحریروں کا مجموعہ ہے۔ جو جناب عمر دین بھیلانے بڑی محنت اور محبت سے مرتب کیا ہے۔ ان کی اس گرانقدر کاوش کی تحسین کیے بغیر نہیں رہا جاسکتا۔

پروفیسر شیخ محمد یوسف
پرنسپل
کیڈٹ کالج لاڑکانہ



Marfat.com

# عرضِ مرتب

کتاب آپ کے ہاتھوں میں ہے۔ اس میں کالج کے اساتذہ اور طلبہ کے وہ مضامین شامل ہیں جو پہلے ہی انڈس کے مختلف شماروں میں شایع ہو چکے ہیں۔ بس یہ ایک انتخاب ہے۔ اس میں قرآن، حدیث، سیرت، عقائد، اخلاق، آداب اور شخصیات پر مضامین شامل ہیں۔ ترتیب دینے کا مقصد اساتذہ اور طلبہ کی تحریروں کو نئے سرے سے محفوظ کرنا، ان میں لکھنے اور پڑھنے کا جذبہ بیدار کرنا، نئے لکھنے والے طلبہ اور اساتذہ کی حوصلہ افزائی کرنا، نوجوان طلبہ میں مذہبی شعور بیدار کرنا، ان کے اذہاں کی نشو و نما کرنا، انہیں اپنی تہذیب و تاریخ سے باخبر کرنا اور پاسبان بنانا ہے۔

اس اِشاعت میں ہونہار طلبہ اور اساتذہ کرام کے تحقیقی، تاریخی، فکری، فنی اور توضیحی مضامین شامل ہیں۔ مضامین سے طلبہ کی ابتدائی کاوشیں جھلکتی ہیں۔ اساتذہ کرام نے طلبہ کے فہم و فکر کو سامنے رکھتے ہوئے لکھا ہے۔ اسلوب سادہ اور زبان عام فہم ہے۔ میں اردو کا طالبِ علم ہوں۔ اسلامی موضوع پر کتاب کی تدوین میرے لیے جوئے شِیر لانے کی مانند ہے۔ لیکن میں بے حد ممنون ہوں محترم سکندر علی چنا صاحب ایسوسی ایٹ پروفیسر اسلامیات کا، جنہوں نے قرآنی آیات اور احادیثِ پیغمبر اکرم ﷺ کی تصحیح اور کتاب پر نظر ثانی کی۔ میں اپنے پرنسپل جناب پروفیسر محمد یوسف شیخ صاحب کا بھی ممنون و مشکور ہوں جنہوں نے کتاب کی اشاعت کے سلسلے میں ہر مرحلے پر میری رہنمائی فرمائی اور ان کی خصوصی توجہ سے یہ کتاب منظر عام پر آئی۔

مجھے امید ہے کہ یہ کتاب طلبہ کے لیے خصوصی طور پر اور عام قارئین کے لیے عمومی طور پر یکساں مفید ثابت ہو گی۔

عمر دین
لیکچرار اردو

Marfat.com

Marfat.com

# اور ہم خوار ہوئے تارکِ قرآں ہو کر

سکندر علی چنا

اسسٹنٹ پروفیسر اسلامیات

ایک انگریزی کہاوت ہے کہ Truth is stranger than Fiction، ”حقیقت افسانے سے بھی زیادہ حیرت انگیز ہوتی ہے۔“

آج پوری دنیا کے مسلمان، بغیر کسی اختلاف کے، اس بات پر ایمان رکھتے ہیں کہ تمام مذہبی کتابوں میں سے قرآن کریم ہی وہ واحد اور آخری کلامِ الٰہی ہے جس کا ایک ایک حرف محفوظ اور اپنی اصلی شکل میں موجود ہے۔ ہمارا یہ بھی ایمان ہے کہ ہماری دینی و دنیاوی فلاح و بہبود، قرآنِ کریم کی تعلیمات پر عمل کرنے میں ہی ہے۔

ہم یہ بھی اعتراف کرتے ہیں کہ ہماری ذلت و پستی، زوال و زبوں حالی اور خواری و خسارے کا واحد سبب اس کتابِ عظیم کی تعلیم پر عمل نہ کرنا ہے۔ باوجود اس اعتراف کے، قرآنِ کریم کو پس پشت ڈال دینا اور اس پر عمل نہ کرنا، کیا اس انگریزی کہاوت کی عین عکاسی نہیں کرتی کہ حقیقت افسانے سے بھی زیادہ حیرت انگیز ہوتی ہے۔ مسلمان ہو اور خوار ہو، یہ ہو ہی نہیں سکتا۔ قرآن کریم میں وعدہ فرمایا گیا ہے کہ مومن ہو اور عمل صالح کرتا ہو تو زمین کی حکومت اُس کے ہاتھ میں ہو گی۔

ہمارے اسلاف کی تاریخ اس بات پر گواہ ہے کہ جب تک ہمارا رشتہ قرآنِ کریم سے برقرار رہا، اس کی تعلیمات پر کاربند رہے، تو ہم دنیا میں عزت کی انتہا پر تھے اور جب ہم تارکِ قرآن ہوئے تو ہم زوال پذیر خواری و خرابی کے سمندر میں جا ڈوبے۔ کون کہتا ہے کہ ہم نے قرآن کو ترک کر رکھا ہے، ہم اس کی تلاوت کرتے ہیں، اپنے بچوں کو اس کی تعلیم دلواتے ہیں، پوری مسلم دنیا میں لاکھوں دینی مدارس قرآنِ کریم کی تعلیم میں مشغول ہیں، لیکن کیا یہ سب کافی ہے!!!!؟

آج ہمارا قرآن کے ساتھ کیا سلوک اور رویہ ہے؛ اس کی فریاد مولانا ماہر القادریؒ کے الفاظ میں سنیں۔

طاقوں میں سجایا جاتا ہوں، آنکھوں سے لگایا جاتا ہوں

تعویذ بنایا جاتا ہوں، دھو دھو کے پلایا جاتا ہوں۔

اصل میں ہم نے قرآن کو ترک نہیں کیا، بلکہ ہم میں وہ احساس، وہ شعوری ایمان اور قرآن پر حقیقی اعتماد نہیں رہا۔ قرآن کریم ہمارے اسلاف کے لیے ایک گائیڈ بک تھی اور ہم نے اس کو صرف ریفرنس بوک بنادیا ہے۔ تلاوتِ قرآن ہمارے اسلاف کے لیے قلوب کو تڑپانے کا ذریعہ تھی اور ہماری محافلِ شبینہ کا سبب!!!!

قرآن کریم نے اہل کتاب کے لیے جو کچھ کہا ہے، وہی آج ہماری حالت ہے کہ:

فَخَلَفَ مِنْۢ بَعْدِهِمْ خَلْفٌ وَّرِثُوا الْكِتٰبَ يَاْخُذُوْنَ عَرَضَ هٰذَا الْاَدْنٰى وَيَقُوْلُوْنَ سَيُغْفَرُ لَنَا ۚ وَاِنْ يَّاْتِهِمْ عَرَضٌ مِّثْلُهٗ يَاْخُذُوْهُ ۭ اَلَمْ يُؤْخَذْ عَلَيْهِمْ مِّيْثَاقُ الْكِتٰبِ اَنْ لَّا يَقُوْلُوْا عَلَى اللّٰهِ اِلَّا الْحَقَّ وَدَرَسُوْا مَا فِيْهِ (الاعراف-۱۶۹)

"تو اُن کے بعد اُن کے جانشین، وارثِ کتاب ہوئے جو اس دنیا کی متاع اختیار کرتے ہیں اور کہتے ہیں: ہمارے لیے سب معاف کر دیا جائیگا اور اگر اسی طرح کی کوئی اور متاع اُن کو مل جائے تو اُسے بھی ہتھیالیں گے۔ کیا ان سے کتاب کے بارے میں یہ عہد نہیں لیا گیا تھا کہ وہ اللہ پر حق کے سوا کوئی اور بات نہ جوڑیں اور انہوں نے جو کچھ اس میں ہے اچھی طرح پڑھا بھی؟"

یہ بگاڑ اور ایمانی گراوٹ اس بات کا ثبوت ہے کہ ہم میں وہ شعور باقی نہیں رہا جو اسلاف کو ملا تھا۔ یہی وجہ ہے کہ:

وہ زمانے میں معزز تھے مسلماں ہوکر

اور ہم خوار ہوئے تارکِ قرآں ہوکر

اس بات کی پیش گوئی رسول ﷺ نے پہلے ہی کردی تھی کہ "لوگوں پر ایک دور ایسا آیگا کہ جس میں اسلام سوائے اسم کے اور قرآن سوائے رسم کے باقی نہیں رہیگا۔ مساجد تو بنائی جائینگی لیکن وہ ہدایت سے خالی ہونگی۔ اس آسمان تلے سب سے بدتر مخلوق علما ہونگے جو فتنوں کا سبب بنیں گے۔"



Marfat.com

اسی طرح ایک اور حدیث میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ایک دور ایسا آئیگا جب علم اٹھالیا جائیگا۔ لوگوں نے تعجب سے کہا کہ علم کیسے جاتا رہے گا جب کہ ہم قرآن پڑھتے ہیں، اپنے بچوں کو پڑھاتے ہیں اور وہ اپنے بچوں کو پڑھائیں گے اور یہ سلسلہ قیامت تک جاری رہیگا؟ تو یہ سن کر آپ ﷺ نے فرمایا کہ کیا یہ یہودی اور عیسائی تورات اور انجیل نہیں پڑھتے!؟ لیکن وہ اس پر عمل نہیں کرتے"۔

اس طرح ایک اور حدیث میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ: "تم یہودیوں اور عیسائیوں کے نقشِ قدم پر چلوگے، اگر وہ گوہ کے بل میں داخل ہوئے تھے تو تم بھی ایسا کروگے۔"

یہ پیش گوئیاں ایک اعتبار سے تو پیش گوئیاں ہیں لیکن ایک حقیقت میں تنبیہہ اور نصیحت ہیں کہ دیکھو کہ یہودی اور عیسائی جس قانونِ زوال کی زد میں آکر خوار اور خراب ہوئے، تم بھی ہوسکتے ہو۔ لیکن ان چیزوں سے اپنے دامن کو بچانا۔ کیونکہ اللہ کی نگاہ میں کوئی بھی قوم نہ چہیتی ہے، نہ سوتیلی۔ جو قوم احکام الٰہی کے مطابق عمل کریگی وہ کامیاب وکامران ہوگی اور جو قوم جادۂ راہ سے ہٹ جائیگی اُس کا مقدر ذلت وخواری ہوگا۔

آج پوری امّتِ مسلمہ کی حالت تشویش ناک ہے۔ اقوام عالم کی صف میں انہیں کوئی قابلِ عزّت مقام حاصل نہیں۔ ہماری قسمت کے فیصلے بُش اور بلیئر کے ہاتھ میں ہیں۔ ہماری مقدس عبادت گاہوں؛ حرمین شریفین کے پاسبان امریکی فوجی ہیں، جبکہ قرآن تو کہتا ہے کہ: تم میری اتباع کروگے، میرے احکامات پر چلوگے، تو تمہیں نہ کوئی خوف ہوگا نہ حزن۔ اس دور میں جو چیز ہماری محافظ ہے، وہ قرآن ہے۔

میری دانست میں تو پہلا اور آخری سبب یہ ہے کہ قرآن پر باوجود ایمان ہونے کے ہمیں شبہ اور شک ہے کہ اگر ہم نے اس کے مطابق اپنے نظام زندگی کو ڈھالا تو بین الاقوامی طور پر دنیا سے کٹ جائینگے۔ اور دنیا ہمیں بنیاد پرست اور دقیانوسی کہے گی۔ قرآن کہتا ہے کہ سودی لین دین حرام اور اللہ اور اس کے رسولؐ کے خلاف اعلانِ جنگ ہے، لیکن ہم اس حکم پر اس لیے عمل نہیں کرتے کہ بین الاقوامی تجارت سے کٹ جائیں گے اور ہمارا منافع کم ہوجائیگا۔ قرآن کہتا ہے کہ شراب ناپاک شیطانی عمل ہے، لیکن ہم اس پر اس لیے پابندی نہیں لگاتے کہ ہمیں ڈر ہے کہ اس سے ہمارا Revenue کم ہوجائیگا۔

تارکِ قرآن ہونے کے اسباب، ایمان کا راسخ نہ ہونا اور شک وشبے کی کیفیت میں مبتلا ہونا ہے۔



Marfat.com

خدائے لم یزل کا دستِ قدرت تو، زباں تُو ہے
یقیں پیدا کر اے غافل! کہ مغلوبِ گماں تُو ہے

جبکہ قرآن شک وشبہ سے پاک کتاب ہے اور اس پر عمل کرنیوالوں کو بھی استقامت عطا کرتی ہے۔

یہ کتاب پاک اک آئینہء کردار ہے
مومنوں کے ہاتھ میں اللہ کی تلوار ہے

قرآن اپنے حاملین کو "خیر امت" کا خطاب دیتا ہے۔ لیکن ہم خوار و خراب ہو رہے ہیں، کیونکہ "خیر امت" ہونا مشروط ہے، "امر بالمعروف اور نہی عن المنکر" کا فریضہ انجام دینے سے۔

کیا یہ افسوس کا مقام نہیں کہ دنیا میں ایک ارب سے زیادہ مسلمان ہیں، مسلمانوں کے موجود ہونے اور قرآنِ کریم کو ماننے کے باوجود، دنیا کا کوئی بھی مسلم ملک مکمل طور پر قرآنی احکامات پر کاربند نہیں ہے۔ محض اس لیے کہ ہمیں یہ ڈر، یہ شک اور شبہ ہے کہ جدید دور میں قرآن سے رہنمائی نہیں مل سکتی یا ہمیں دنیا رجعت پرست، قدامت پسند اور تنگ نظر کہے گی۔ لیکن یاد رکھیے کہ

گر تو می خواہی مسلماں زیستن
نیست ممکن جز بہ قرآں زیستن

اپنی اصلاح کے ساتھ ساتھ ہمیں دنیا کو دعوتِ الی اللہ بھی دینی ہوگی، کیونکہ خیرِ امت کے فرائض میں سے ایک فریضہ یہ بھی ہے، بلکہ آج جو ہم امریکہ اور برطانیا کے خوف میں مبتلا ہیں، اس خوف اور ڈر سے بچنے کا واحد علاج بھی قرآن کریم، دعوت و تبلیغ الی اللہ ہی کو قرار دیتا ہے کہ اگر تم یہ فریضہ انجام دوگے تو اللہ تمہیں لوگوں کے شر سے بچائے گا۔

تاریخ اس بات کی گواہ ہے کہ جو اسلام اور اللہ کے رسول کے دشمن تھے وہ آپ ﷺ کی مسلسل دعوت الی اللہ اور تبلیغ سے آپ کے جانثار صحابہ اور محافظ بن گئے۔ کیا یہ تاریخی حقیقت نہیں کہ وہی خونخوار درندے، چنگیز و ہلاکو خان کی فوجیں، جنہوں نے سمرقند سے مصر تک مسلمانوں کے خون کی ندیاں بہائیں، انہی فوجیوں کی نسل نے اسلام قبول کرکے اسلامی اقدار و شعائر کی حفاظت کی۔ اقبال نے سچ کہا تھا کہ:



Marfat.com

ہے عیاں فتنہء تاتار کے افسانے سے
پاسباں مل گئے کعبے کو صنم خانے سے

رسول کریم ﷺ کی ایک پیش گوئی یہ بھی ہے کہ "زمین کی سطح پر کوئی خیمہ یا گھر ایسا باقی نہ رہے گا جس میں اللہ اسلام کا کلمہ داخل نہ کردے"

اس قدرتی عمل کے ساتھ اگر ہم اپنا حصہ ملادیں گے تو اس عمل کی رفتار تیز ہو جائے گی اور جب ہم اللہ کے دین کی مدد کریں گے تو اللہ ہماری مدد کریگا اور ہم خواری کی حالت سے نکل کر عزت کی منتہیٰ تک پہنچ جائیں گے، ورنہ قرآن کے الفاظ میں:

وَمَنْ اَعْرَضَ عَنْ ذِكْرِىْ فَاِنَّ لَهٗ مَعِيْشَةً ضَنْكًا (سورہ طٰہٰ ۱۲۴-)

جس کا عام مفہوم یہی ہے کہ "ہم خوار ہوئے تارکِ قرآں ہو کر۔"

***



Marfat.com

# قرآن مجید کی جمع، تدوین و ترتیب

حافظ عبدالوہاب منگریو
اسسٹنٹ پروفیسر اسلامیات

عنوان سے مراد ہے کہ قرآن مجید کی حفاظت کیسے کی گئی؟ وہ کیسے جمع اور مُدَوَّن کیا گیا؟ اس کی ترتیب کیسے دی گئی؟ نیز یہ کام کتنے ادوار اور زمانوں میں ہوا؟ اس سارے کام کے مشہور و معروف اَدوار کل تین ہیں۔ (۱) آپ ﷺ کا دور (۲) حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کا دور اور (۳) حضرت عثمان رضہ اللہ عنہ کا دور۔

## نزولِ قرآن کی ضرورت

مختلف کتب اور صحائف، وقت گذرنے اور منسوخ ہونے کے بعد قرآن مجید کے نزول کی ضرورت پڑی۔ نیز اس کی بھی ضروت تھی کہ اس کی حفاظت کی جائے، چنانچہ اللہ نے خود قرآن مجید کی حفاظت فرمائی۔

حفاظت، جمع و تدوین اور ترتیب کے تین ادوار:

## (۱) آپ ﷺ کا دور

اس دور کو عہدِ رسالت کا دور بھی کہتے ہیں۔ اس دور میں حفاظت کے دو طریقے تھے (الف) صَدرِی حفاظت (سینوں میں حفاظت) (ب) کتابی حفاظت (تحریری حفاظت)

(الف) صَدری حفاظت: (۱) سب سے پہلے آپ ﷺ نے اپنے سینے میں محفوظ کیا (۲) پھر صحابہ کرامؓ نے سینوں میں محفوظ کیا۔ وہ آپ کے سامنے دہراتے

اور تسلی کرتے تھے (۳) نماز میں تلاوتِ کلام پاک ضروری کی گئی (۴) قرآن مجید کے فضائل وقتاً فوقتاً بتائے جاتے تھے (۵) مساجد میں قرآن مجید کی تعلیم و تعلّم کا انتظام کیا گیا (۶) مدارس قائم کیے گئے، جیسے صُفّہ اور حضرت مخرمہ بن نوفلؓ کی جگہ وغیرہ (۷) قرآن کے معلمین تیار کرواکر دور دراز علاقوں کو بھیجے گئے جیسے حضرت عبداللہ بن اُمّ مکتومؓ اور حضرت مصعب بن عمیرؓ وغیرہ۔ ایسی حفاظت کو اللہ تعالیٰ نے خود قرآن میں فرمایا ہے: بَلْ هُوَ آيَاتٌ بَيِّنَاتٌ فِي صُدُورِ الَّذِينَ أُوتُوا الْعِلْمَ وَمَا يَجْحَدُ بِآيَاتِنَا إِلَّا الظَّالِمُونَ۔

ترجمہ: بلکہ یہی واضح آیات ہیں ان لوگوں کے دلوں میں جن کو علم دیا گیا ہے اور ہماری آیتوں کا انکار ظالم لوگ ہی کرتے ہیں۔

(سورۃ العنکبوت ۴۹)

مکّہ کے حُفاظِ قرآنِ کریم: (۱) حضرت ابوبکرؓ (۲) حضرت عثمانؓ (۳) حضرت علیؓ (۴) حضرت عبداللہ بن مسعودؓ۔

مدینہ دور کے حُفاظ: (۱) حضرت عائشہؓ (۲) حضرت حفصہؓ (۳) حضرت اُمّ سلمہؓ (۴) حضرت اُبی بن کعبؓ (۵) حضرت معاذ بن جبلؓ (۶) حضرت ابو موسیٰ اشعریؓ (۷) حضرت طلحہؓ (۸) حضرت سعدؓ (۹) حضرت ابوہریرہؓ۔

(ب) کتابی حفاظت: اسلام سے قبل لوگ اَن پڑھ تھے، کیوں کہ ان میں لکھنے پڑھنے کا رواج بالکل نہ تھا۔ اس لیے سارا دارومدار حافظے اور روایت پر تھا کیوں کہ ان میں نہ تو لکھنے والے موجود تھے اور نہ ہی لکھنے کا ان کے پاس کوئی سامان تھا۔ قرآن کا یہ پہلا معجزہ ہے کہ اس کے نازل ہونے سے کچھ عرصہ پہلے عرب لکھنے پڑھنے کی طرف متوجہ ہوئے۔ چنانچہ آپ ﷺ کی بعثتِ سے پہلے سترہ (۱۷) آدمی لکھنے پڑھنے کے فن سے واقف تھے۔ ان میں سے چند لوگوں نے ابتدائے اسلام میں ہی ایمان قبول کیا تھا۔ چنانچہ تحریری اور کتابی انداز کو قرآن میں بیان کیا گیا ”وَالطُّورِ وَكِتَابٍ مَّسْطُورٍ فِي رَقٍّ مَّنشُورٍ۔○“

ترجمہ: قسم ہے طور (پہاڑ) کی اور اس کتاب کی جو کھلے ہوئے اوراق میں لکھی ہوئی ہے (سورۃ الطور ۱-۲)

## جن چیزوں پر قرآن لکھا گیا

(۱) اُونٹ کی کشادہ ہڈیاں (۲) تختیاں (۳) کھجور کے خوشوں کے خول (۴) سفید پتھر کے ٹکڑے (۵) چمڑے کے ٹکڑے (۶) لکڑی (۷) ٹھکریوں (۸) کجاوے کی لکڑیوں پر قرآن لکھا گیا۔

## کتابت کے طریقے

آیت نازل ہوتے ہی آپ ﷺ کاتبین وحی کو بُلا کر بتائی ہوئی ترتیب کے مطابق لکھواتے تھے۔اس قسم کے صحائف اپنے سفر و حضر میں ساتھ رکھتے تھے۔ سن ۵ نبوی میں حضرت عمرؓ کے قبولِ اسلام کے وقت قرآن مجید تحریری صورت میں موجود تھا۔ چنانچہ بنی زُریق کے ایک شخص کو مکّہ مکرّمہ میں آپ ﷺ نے قرآن مجید کا کچھ حصّہ لکھوا کردیا تھا۔ آپ ﷺ رمضان المبارک میں بلند آواز سے پڑھتے تھے اور صحابہؓ اپنے نسخوں میں اور حفظ کی اصلاح کرلیتے تھے۔ نیز کہا گیا ہے کہ آپ ﷺ نے اپنے آخری رمضان میں دو مرتبہ تلاوت فرمائی۔ آپ ﷺ کے وصال کے وقت پورا قرآن تحریری صورت میں موجود تھا۔ یہ تحریریں متفرق لوگوں کے پاس مختلف حصّوں میں تھیں، البتہ کسی ایک کے پاس پورا قرآن ایک ہی شکل میں نہ تھا۔ مکّی دور میں آپ ﷺ حضرت ارقم مخزومیؓ کے گھر جاکر لکھوایا کرتے تھے۔

## مکی دور کے کاتبین

(۱) حضرت ابوبکرؓ (۲) حضرت عثمانؓ (۳) حضرت علیؓ۔

## مدینہ دور کے کاتبین

(۱) زید بن ثابتؓ (۲) زبیرؓ بن العوّام (۳) اُبیؓ بن کعب (۴) عبداللہؓ بن ارقم (۵) خالدؓ بن سعید (۶) ابودَرداؓ (۷) معاذ بن جبلؓ (۸) عبداللہ بن مسعودؓ (۹) ابو ایّوب انصاریؓ (۱۰) عبداللہ بن عمرؓ۔



Marfat.com

## (۲) حضرت ابو بکرؓ کا دور

اس دور میں حفاظت، جمع و تدوین کی ضرورت اس لیے پیش آئی کہ حضرت ابو بکرؓ کے خلافت سنبھالتے ہی مُرتدین کے فتنے برپا ہوگئے۔ چنانچہ ایسے فتنوں کو کچلنے کے لیے انہیں تلوار اٹھانی پڑی۔ اُن میں ایک بڑا فتنہ جنگ یمامہ کا تھا، چونکہ مُسلیمہ کُذّاب نے آپ ﷺ کے وصال کے بعد نبّوت کا دعویٰ کیا، جس کی وجہ سے یمامہ کے مقام پر خونی معرکہ ہوا، جس میں بارہ سو (۱۲۰۰) مسلمان شہید ہوئے، جن میں سات سو (۷۰۰) قاری و حافظ قرآن بھی تھے۔ چنانچہ حضرت عمرؓ کے دل میں کھٹکا پیدا ہوا کہ اگر خدا نخواستہ حفاظِ قرآن جنگوں میں اس کثرت سے شہید ہوتے رہے تو قرآن کا بہت سا حصہ ضایع ہوجائے گا۔ لٰہذا انہوں نے وقت کے خلیفہ حضرت ابو بکرؓ سے عرض کیا: اِنِّی اَریٰ اَنْ تَاْمُرَنہ بَجمعِ القُراٰنِ۔ یعنی میری رائے ہے کہ آپ قرآن کو کتابی صورت میں جمع کرنے کا حکم فرمائیں۔ شروع میں حضرت ابو بکرؓ اس عظیم کام کو اٹھانے کے حق میں نہ تھے۔ اس کی دلیل یہ تھی کہ جب آپ ﷺ نے خود ایسا نہیں کیا تو ہم کیسے کرسکتے ہیں۔ لیکن حضرت عمرؓ کے بار بار توجہ دلانے سے ان پر یہ بات واضح ہوگئی کہ کتابت تو عین سنتِ نبوی ہے۔ نیز آپ ﷺ خود مختلف اشیا پر اس کی کتابت کروا چکے ہیں۔

## طریقہ کار

جب اکابر صحابہ خصوصاً حضرت ابو بکرؓ راضی ہوگئے تو کتابت کے لیے حضرت زید بن ثابتؓ کو مقرر کیا گیا، کیوں کہ ایک تو وہ قاری، حافظ اور عالم بھی تھے، دوسرا یہ کہ آپ ﷺ کے دور میں کاتبِ وحی بھی رہ چکے تھے۔ ان کے پاس اپنا مصحف بھی موجود تھا۔ طریقہ یہ اختیار کیا گیا کہ کسی بھی آیت کے لیے دو گواہ ہوں۔ چنانچہ آپ کی سربراہی میں پچھتر صحابہ کی ایک کمیٹی بنائی گئی، جن میں ۲۵ مہاجر اور ۵۰ انصار صحابہ شامل تھے۔ حضرت سعید بن العاصؓ کی فصاحت اور لہجہ حضور ﷺ سے مشابہ تھا، اس لیے املاء کا کام ان کے سُپرد کیا گیا، اس طرح اِجماعِ

صحابہؓ سے قرآن مجید کا ایک نسخہ تیار ہوگیا، جو صدیق اکبرؓ کے دورِ خلافت میں ان کے پاس رہا۔ اس کے بعد حضرت عمرؓ کے پاس رہا، پھر ان کی بیٹی حضرت حفصہؓ کے پاس رہا۔ اس کے پاس رکھنے کا مقصد یہ تھا کہ جب تک کوئی مستقل خلیفہ نہیں ہے، تب تک ان کے پاس امانت رہے۔ اس مَصحَف کا نام مَصحَفِ اُمّ تھا۔ امام ابن حزمؒ کہتے ہیں کہ "خلیفہ اوّل کے عہد میں کوئی ایسا شہر نہ تھا جہاں لوگوں کے پاس بکثرت قرآن نہ ہوں" (الملل والنحل)

## (۳) حضرت عثمانؓ کا دور

اس دور میں حفاظت اور جمع و تدین کی ضرورت اس لیے پیش آئی کہ اس وقت مختلف قبائل اور مختلف اقوام کے لہجے الگ الگ تھے، زبان اور الفاظ میں تھوڑا بہت فرق تھا، ہجرتِ مدینہ کے بعد جب ان لوگوں کو اسلام کی دولت نصیب ہوئی تو مختلف لہجوں کی وجہ سے قرآن کی تلاوت قریش کے لہجے میں مشکل ہو رہی تھی۔ آپ ﷺ نے فرمایا: اِنَّ ھٰذَا القُراٰنَ اُنزِلَ عَلیٰ سَبعَةِ اَحرُفٍ فَاقرَءُوا مَاتَیَسَّرَ مِنہُ۔ (ترجمہ بے شک یہ قرآن سات لہجوں میں نازل ہوا ہے، اُس لہجے میں پڑھو، جس میں تمہارے لیے آسان ہو۔) لیکن اسلامی خلافت اور فتوحات وسیع ہونے کے بعد قرآن مجید کی تلاوت کے مختلف لہجوں میں پیچیدگیاں اور غلط فہمیاں پیدا ہونے لگیں، اس لیے حضرت عثمانؓ نے جلیل القدر صحابہؓ سے مشورہ کرتے ہوئے، خاص طور پر حضرت حذیفہؓ سے فرمایا، "اے محمد ﷺ کے ساتھیو! آپ مل کر لوگوں کے لیے ایک ایسا مصحف لکھو، جس کو امامت اور سربراہی والا درجہ حاصل ہو۔" چنانچہ حضرت عثمانؓ نے حضرت زید بن ثابتؓ کو حکم دیا کہ وہ دوبارہ اصحاب کے جدا جدا قلمی نسخوں کو اٹھا کر جس جگہ پر لہجے میں کوئی فرق ہو، وہاں قریش کی زبان کو معیار ٹھہرایا جائے۔

## مصحف امام

۲۴ھ کے آخر اور ۲۵ھ کی ابتدا میں جب قرآن مکمل تحریر میں آچکا تو حضرت عثمانؓ نے حضرت حفصہؓ کے پاس سے حضرت ابوبکرؓ کے دور کا جمع کیا ہوا

نسخہ منگوا کر، ایک ایک لفظ چیک کرنے کے بعد اطمینان حاصل کر کے اسکے پیچھے یہ عبارت تحریر کروادی: "هٰذا مَا اَجمَعَ عَلَيهِ جَمَاعَةٌ مِن اَصحَابِ الرَّسُولِ ﷺ" (یہ قرآن مجید وہ نسخہ ہے جس پر حضورر ﷺ کے اصحاب کی جماعت نے اتفاق کیا ہے) چنانچہ اس مصحف کو "مصحف امام" کا نام دیا گیا۔ اس کی سات کاپیاں کرواکر مکہ مکرمہ، شام، یمن، بحرین، بصرہ، کوفہ اور مدینہ منورہ جیسے مرکزی مقامات پر رکھوائی گئیں۔ حضرت عثمانؓ کو اسی لیے "جامع القرآن" (قرآن کا جمع کرنے والا) کہا جاتا ہے۔

## قرآن مجید کے اعراب، نقطے، زیب و زینت اور رسم الخط

(۱) اعراب اور نقطے: (۱) بنوامیہ کے دور میں جب عجمیوں کو قرآن مجید کی تلاوت کرنے میں دشواری ہوئی تو حجاج بن یوسف کی سرکردگی میں قرآن مجید پر اعراب لگائے گئے، نیز اَجزاء (پارے) اور رکوع کی بھی نشان دہی کی گئی (۲) مختلف روایات کے مطابق ابوالاسود دُئلی نے زیاد بن ابیہ کے حکم سے اعراب کی ابتدا کی۔ ابوالاسود کبارِ تابعین میں سے تھے اور حضرت علیؓ کے مشورے سے علم نحو کے ابتدائی قواعد مرتب کیے تھے۔ چنانچہ فتحہ کے لیے حرف کے اوپر نقطہ، ضمہ کے لیے کنارے پر نقطہ اور کسرہ کے لیے نیچے نقطہ دیتے تھے۔ (۳) قرطبی کی روایت کے مطابق نقطوں کی ابتدا عبدالملک بن مروان کے زمانے میں حجاج بن یوسف، یحیٰی بن یعمر، حسن بصری اور عبید اللہ بن زیاد نے کی۔ چنانچہ ابن ابی داؤد نے "کتاب المصاحف" میں لکھا ہے کہ دو ہزار الفاظ درست کیے گئے: مثلاً قلت کی جگہ قالت اور کنت کے بجائے کانت لکھا گیا۔

(۲) زیب و زینت: ابتدا میں بعض علما کرام کتابت کی اصلاح کی مخالفت کرتے رہے اور تیسری صدی ہجری تک یہ سلسلہ چلتا رہا، لیکن پانچویں صدی ہجری میں علمائے کرام نے تزئین و تحسین پر اتفاق کیا۔ مثلاً (۱) ہر سورہ کے شروع میں عنوان (نام) دینا (۲) آیات میں اختلافی علامات دینا (۳) قرآن کو اجزا (پاروں) میں تقسیم کرنا۔ (۴) اجزا (پاروں) کو ارباع (چار حصوں) میں تقسیم کرنا



Marfat.com

(۵) خاص نشانات لگانا (۶) پریس میں طبع ہونا۔ سب سے پہلے یورپ میں شائع ہوا لیکن ۱۹۲۳ء میں قاہرہ سے اَزھر کے علمائے کرام نے جو شائع کروایا وہ معیاری نسخہ ہے جو اکثر دنیا میں رائج ہے۔

(۳) رسم الخط: قرآن مجید کا رسم الخط عربی ہے۔ نبی کریم کی بعثت کے وقت عرب میں خط حِیْریٰ یعنی خط انباری رائج تھا، جسے اہل مکہ نے عراق کے دو مشہور مقامات حیرہ اور انبار کے باشندوں سے سیکھا تھا۔ یہی خط بعد میں کوفی کہلایا۔ آپ ﷺ کے بادشاہوں کے خطوط کے عکس بھی اسی خط میں ملتے ہیں۔ چنانچہ یہی لگتا ہے کہ آپ ﷺ نے کوفی خط میں ہی قرآن کی کتابت کروائی تھی۔ حضرت عمرؓ، حضرت علیؓ اور حضرت حسنؓ کے لکھے ہوئے مصاحف کے جو عکس ملے ہیں، وہ بھی صاف خط کوفی میں ہیں، البتہ حروف و اشکال، ادغام و اظہار میں تھوڑا سا فرق ہے۔ حضرت عثمانؓ کا مصحف امام بھی خط کوفی میں تھا۔ عربوں میں جو خط اصل رائج تھا وہ معقلی کہلاتا تھا، بعد میں کوفی خط رائج ہوا، جو کہ عراق سے آیا تھا۔ اس خط کا بانی اور موجد "ابن مُقلہ" تھا۔ اس نے چھ خط رائج کیے، جن میں سے "خط نسخ" خاص ہے۔ یہ خط ۴۱۰ھ میں رائج ہوا اور قرآن مجید کے لیے مخصوص ہوا۔ چوتھی صدی ہجری کے اواخر تک قرآن مجید کا رسم الخط کوفی تھا اور عام مستعمل تھا، لیکن پانچویں صدی ہجری کے اوائل میں اس کی جگہ "نسخ" نے لی۔ یہ خط سادہ، واضح اور آسان ہے۔ ہر شخص نے اسے سیکھا اور رواج پاگیا۔ خصوصیات: خطِ "نسخ" کی مختلف و متعدد خصوصیات ہیں (۱) جامع ہے کیوں کہ نقاط، حرکات و علامات اس میں موجود ہیں۔ (۲) اس سے قرآن کی قرائت آسان اور درست ہوگئی (۳) سادہ، آسان اور واضح ہے (۴) پوری دنیا میں آج تک رائج ہے کہ ہر کسی کی سمجھ میں آجاتا ہے۔

چنانچہ قرآن مجید واحد کتاب ہے جو ساری دنیا میں تمام کتابوں سے زیادہ پڑھی جانے والی ہے اور ہر کسی کو آسانی سے سمجھ میں آجاتی ہے۔ ہر دور میں مختلف پیرایہ سے اس پر کام ہوا ہے، ہو رہا ہے اور، ہوتا رہے گا۔

***

137151



Marfat.com

# علمِ تجوید و قرأت کی اہمیت و ضرورت

حافظ عبد الوہاب منگریو
اسسٹنٹ پروفیسر اسلامیات

دنیا میں ایسی کتاب کوئی بھی نہیں ہے جو ہر لحاظ سے اپنی اصل صورت میں محفوظ رہی ہو اور اس کے قارئین ہر دور اور ہر زمانے میں کثیر تعداد میں موجود ہوں۔ البتہ قرآن مجید ایک ایسی کتاب ہے جو آج تک اپنی مکمل اور اصلی صورت میں محفوظ ہے اور اس کے قارئین کا تو اندازہ ہی نہیں لگایا جا سکتا۔ اس کا سب سے بڑا اعجاز یہی ہے کہ اس کے ہر لفظ، حرف اور نقطے تک کی حفاظت کا ذمہ خود پروردگار عالم نے لے رکھا ہے۔ جیسا کہ ارشاد ربانی ہے۔ اِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَاِنَّا لَهٗ لَحٰفِظُوْنَ۝۹ (ترجمہ: بیشک ہم نے ذکر (قرآن) نازل کیا اور اور ہم ہی اس کی حفاظت کے ذمہ دار ہیں۔) لارڈ ولیم میور لکھتا ہے "جہاں تک ہماری معلومات ہیں، دنیا بھر میں کوئی ایسی کتاب نہیں جو قرآن کی طرح بارہ صدیوں تک ہر قسم کی تحریف سے پاک ہو۔"

غرض یہ کہ ہر زمانے اور دور میں مختلف طریقوں سے قرآن کریم کی حفاظت کی گئی ہے۔ علماء نے اس کے مفاہیم و مطالب کی حفاظت کی تو کاتبین نے رسم الخط کی اور قاریوں نے قرأت کی، حافظوں نے اس کے الفاظ و عبارت کو محفوظ رکھا اور کئی دوسرے لوگ جنہوں نے قرآن کے ساتھ شغف رکھا، اپنی صلاحیت کے ذریعہ اس کے ہر فن کو محفوظ کیا، لیکن ان باتوں کے باوجود معاشرے میں ایسے لوگوں کی تعداد بھی موجود رہی ہے، جنہوں نے قرآن مجید کے پڑھنے کا صحیح حق ادا نہ کیا۔ چونکہ قرآن کریم پڑھنے کا علم سیکھنا بھی ضروری ہے۔ قرآن مجید پڑھنے کے علم کو علم تجوید و قرأت کہتے ہیں۔ تجوید کے لفظی

معنی ہے نیا کرنا۔ اصطلاح میں حروف کا ان کے صحیح مخارج سے ادا کرنا اور اس انداز سے پڑھنا جس طرح اہل زبان نے ادا کیا؛ علم تجوید کہلاتا ہے۔ قرأت کے لفظی معنی ہیں پڑھنا۔ اصطلاح میں صحت کے ساتھ قرآن پڑھنے کو قرأت کہتے ہیں۔

آپ ﷺ کا ارشاد ہے: جَوِّدُوا القُراٰنَ تجویدا (ترجمہ: قرآن تجوید کے ساتھ پڑھو) دوسری روایت میں ہے کہ: زَیِّنُوا القُراٰنَ بِاَصواتکُم (ترجمہ: قرآن کو اپنی آوازوں کے ساتھ خوبصورت بناؤ۔) ایک اور حدیث میں فرمایا "اِنَّ اللّٰہ یُحِبُّ اَن یُقرَءَ القُراٰنُ کَمَا اُنزِلَ" (ترجمہ: بے شک اللہ پسند کرتا ہے کہ قرآن اسی طرح پڑھا جائے جس طرح نازل کیا گیا ہے۔)

حضرت علقمہ بن قیس رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ مجھے اللہ تعالیٰ نے تلاوت قرآن میں خاص خوش الحانی اور خوش آواز دی تھی۔ اس لیے حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہما (جو ان کے استاد تھے) مجھ سے قرآن پڑھوایا کرتے تھے اور فرماتے تھے: "اِقرَا فِدَاكَ اَبِی وَاُمِّی" (ترجمہ: میرے ماں باپ آپ پر قربان ہوں قرآن مجید سناؤ) اور یہ بھی فرمایا کرتے تھے کہ میں نے آنحضرت ﷺ سے سنا ہے کہ "حُسنُ الصَوتِ تَزیِینُ القُراٰن" یعنی خوش آوازی قرآن مجید کی زینت بڑھا دیتی ہے۔

مذکورہ بالا دلائل سے معلوم ہوتا ہے کہ علم تجوید و قرأت سیکھنا بہت ضروری ہے، جس سے کوئی بھی مسلمان انکار نہیں کر سکتا۔ پھر اگر کوئی قاری قرآن کی قرأت پر عبور حاصل کر لیتا ہے، تو اس کے لیے آپ ﷺ نے خوشخبری بھی سنائی ہے کہ؛ وہ معزز فرشتوں اور انبیاء کے ساتھ ہو گا۔ فرمایا: "الماھر بالقُراٰنِ مَعَ السَفَرَۃِ الکِرَامِ البَرَرَۃِ" (ترجمہ: قرآن کا ماہر معزز فرشتوں اور انبیاء کے ساتھ ہو گا۔)

قرآن مجید آخرت میں بھی قرأت کے ساتھ ہی پڑھا جائے گا، آپ ﷺ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ قرآن کے قاری کو خود آواز دیں گے کہ: اِقرَا القُراٰنَ وَارتَقِ وَرَتِّل کَمَا کُنتَ تُرَتِّل فِی الدُنیا فَانَ مَنزِلَكَ عِندَ آخرِ آیۃٍ تَقرَاھَا (ترجمہ: جس طرح تم دنیا میں قرآن پڑھتے تھے اسی طرح پڑھتے ہوئے مدارج طے کرتے جاؤ تمہاری منزل وہاں ہے جہاں تم آخری آیت کی قرأت کرو گے۔)

آنحضرت ﷺ نے اپنے ایک تربیت یافتہ قاری حضرت اسید بن حضیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو فرمایا، "تمہاری آواز نے فرشتوں کو مسحور کر دیا اور تمہاری زبان سے قرأت سننے کے

لیے وہ آسمان سے نیچے اتر آئے رات کو جو تم نے بادل کے ٹکڑے میں تمتماتے ہوئے چراغ دیکھے تھے وہی فرشتے تھے، اگر تم صبح تک تلاوت میں مشغول رہتے تو لوگ ان کو ظاہر دیکھ لیتے۔ (بخاری)

اسی طرح حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو فرمایا، "ابو موسیٰ میں نے چھپ کر تیرا قرآن سنا، تیرے پڑھنے سے لحنِ داودی کی یاد تازہ ہوگئی۔" (ترمذی)

حضرت ابی کعب رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں "اِن اللہ اَمرنِی اَن اَقرأ علیك، لم یکن الذین کفروا قال وَسمّانی قال نَعَم فبکی" (بخاری)

(ترجمہ: مجھے اللہ تعالیٰ نے حکم دیا ہے کہ تم لم یکن الذین کفروا یعنی سورت البینہ کی قرأت کرو۔ انہوں نے عرض کیا "کیا اللہ نے میرا نام لیا ہے،" تو آپ ﷺ نے فرمایا "ہاں،" تو وہ رو پڑے، جب وہ فارغ ہوئے تو انہیں خطاب دیا۔ اَقرَأکم اُبَی بنِ کَعب یعنی تم میں سب سے بڑا قاری ابن بن کعب ہے۔)

مذکورہ بالا دلائل سے ثابت ہوتا ہے کہ علم تجوید و قرأت سیکھنا اور اس کے مطابق قرآن کریم کی قرأت کرنا بہت ضروری ہے اور باعث اجر و ثواب بھی۔

تجوید و قرأت کے خلاف قرآن پڑھنا یا غلط پڑھنا یا بے قاعدہ پڑھنا یا مجہول پڑھنا "لحن" کہلاتا ہے اور یہ دو قسم کا ہے؛ ایک یہ کہ ایک حرف کی جگہ دوسرا حرف پڑھا جائے جیسے اَلحمدُ کی جگہ الھمدُ۔ اور اس طرح سارے ایسے حروف جن کی آوازیں یا مخارج قریب قریب ہیں، جیسے:

1۔ث۔س۔ص　　2۔ت،ط

3۔ذ،ز،ض،ظ　　4۔ق،ک

کسی حرف کو خواہ مخواہ بڑھا کر پڑھا جائے؛ جیسے: اَلحَمدُ للہ کو الحمدُو للھی یا کسی حرف کو گھٹا دیا؛ جیسے لم یولد کو لم یلد، یا حرکات و سکنات میں ہیر پھیر کر دیا جیسے: اِیّاك کو اِیَاك یا اِھدِنا کو اَھدنا یا اَنعَمتَ کو اَنعَمتُ وغیرہ، ایسی غلطیوں کو لحن جلی کہتے ہیں اور یہ حرام ہیں۔ بعض جگہ تو الفاظ کے معنی تبدیل ہو جاتے ہیں اور نماز بھی جاتی رہتی ہے۔



Marfat.com

دوسری قسم یہ ہے کہ ایک ایسی غلطی تو نہیں کی لیکن حرفوں کے حسین ہونے کے جو قواعد و قوانین مقرر ہیں، ان کے خلاف پڑھا؛ جیسے الصراط میں ر زبر والی ہے لہٰذ پُر پڑھنی چاہئے لیکن باریک پڑھی گئی تو ایسی غلطی لحن خفی یعنی ہلکی غلطی کہلاتی ہے، یہ مکروہ ہے۔ لیکن اس سے بھی بچنا ضروری ہے۔ (حقیقت التجوید)

## قرآن کریم کے صحیح پڑھنے کے دو طریقے ہیں:-

1۔ ترتیل یعنی ٹھہر ٹھہر کر پڑھنا۔ جیسے؛ قرآن نے خود کہا ہے "وَرَتِّلِ القُرآن ترتیلا" (ترجمہ: اور قرآن ٹھہر ٹھہر کر پڑھو (المزمل)

2۔ حدر یعنی تیز پڑھنا۔ حدر کے طریقے میں بھی تجوید کے قواعد و قوانین کا خیال رکھنا بہت ضروری ہے؛ جس سے الفاظ بالکل صاف اور واضح سمجھے جاسکتے ہوں۔

ان توضیحات سے معلوم ہوا کہ علم تجوید و قرأت سیکھنا اور اس کے مطابق قرآن پڑھنا بہت ضروری ہے، ورنہ بہت سے قرآن پڑھنے والے ایسے ہوتے ہیں، جب وہ قرآن پڑھتے ہیں تو قرآن ان پر لعنت کرتا ہے۔ اس لیے کہ یا تو وہ پڑھ کر عمل نہیں کرتے یا وہ بہت زیادہ غلط پڑھتے ہیں۔ (الجزریۃ)

مُلا علی قاری کے نزدیک علم تجوید سیکھنا اور فنِ قرأت جاننا واجب اور فرض ہے۔ چنانچہ فرماتے ہیں "ثُم ھذا العلمُ لَاخِلافَ فِی انہ فَرضُ کفایۃ والعَمَلُ بِہ فرض عَین" یعنی اس بات پر اتفاق ہے کہ علم تجوید سیکھنا فرض کفایہ اور اس کے مطابق تلاوت قرآن فرضِ عین ہے۔

علامہ محمد نصر مکی فرماتے ہیں "حضور ﷺ سے لے کر آج تک اُمت تجوید کے واجب اور ضروری ہونے پر متفق ہے، اس میں کسی کا بھی اختلاف نہیں اور اختلاف کا نہ ہونا ہی اس کی فرضیت کی سب سے بڑی دلیل ہے۔"

فقہا کرام کا فتویٰ ہے کہ قرآن غلط پڑھنے والا گناہ گار ہے۔ کیونکہ غلط پڑھنے سے معنی بدل جاتے ہیں اور معنی میں فرق پڑ جانے سے نماز ٹوٹ جاتی ہے۔

درحقیقت علم تجوید و فنِ قرأت، جتنے اہم ہیں، اتنے ہی سیکھنے کے لیے آسان ہیں۔ ان کے اہم قواعد و قوانین، ذہن نشین کیے جائیں اور حروف صحیح مخارج سے ادا کیے جائیں تو معمولی سی کوشش سے چند دنوں میں قرآن صحیح طور پڑھا جاسکتا ہے۔ دیکھنے میں کام بہت



Marfat.com

بڑا ہے لیکن کوشش کرنے کے بعد خود بخود قرآن کی یہ گواہی واضح ہو جاتی ہے کہ نصیحت حاصل کرنے والے کے لیے بالکل آسان ہے، جیسے فرمایا "وَلَقَدْ يَسَّرْنَا الْقُرْاٰنَ لِلذِّكْرِ فَهَلْ مِنْ مُّدَّكِرٍ" (ترجمہ: اور تحقیق ہم نے قرآن کو آسان بنایا ہے، یاد کرنے کے لیے پس ہے، کوئی ہے جو نصیحت حاصل کرنے والا ہو۔)

عام طور پر بہت سے لوگ صرف اس وجہ سے قرآن کو صحیح پڑھنے سے محروم رہ جاتے ہیں کہ وہ یہ سوچتے ہیں کہ ہماری عمر تو بڑھ چکی ہے، اب تو ہم کچھ نہیں سیکھ سکتے اور نہ ہی زبان تبدیل ہو سکتی ہے۔ قرآن سے شغف ہوتا ہے لیکن معمولی غلط فہمی کی وجہ سے اتنے اہم کام سے محرومی بھی دیکھنی پڑتی ہے۔ البتہ ان میں ایسے لوگ بھی ضرور موجود ہوتے ہیں جو عمر وغیرہ کو نہیں دیکھتے۔ بلکہ محنت اور کوشش سے اپنی اصلاح شروع کرتے ہیں اور کم ہی وقت میں ان کا قرآن صحیح ہو جاتا ہے۔ اس لیے مسلم کو چاہیے کہ کم از کم اللہ تعالیٰ کی کتاب جس سے ہر وقت واسطہ ہے۔ اس کو سیکھنے کا صحیح حق ادا کریں، خود سیکھیں اور دوسروں کو بھی سکھائیں۔ آپ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم نے فرمایا "خَيْرُكُم من تعلم القُرانَ وَعَلَّمَه" یعنی تم میں بہترین وہ ہے جو قرآن سیکھے اور دوسروں کو سکھائے۔

***



Marfat.com

# قرآن میں اللہ کی قسموں سے کیا مراد ہے؟

سکندر علی چنا

اسسٹنٹ پروفیسر اسلامیات

یہ بات جون ۲۰۰۴ء کے پہلے ہفتے کی ہے کہ میں اپنے کالج کی دسویں جماعت میں اسلامیات کا پیریڈ لے رہا تھا کلاس کے ایک ہونہار طالب علم کیڈٹ محمد سعید شیخ نے ایک سوال کیا کہ: ''سر! قرآن پاک میں اللہ تعالیٰ نے جو قسمیں کھائیں ہیں، ان سے کیا مراد ہے؟'' میں نے ایک مختصر جواب دیا کہ ''قسم'' کسی معاہدے کی توثیق اور تاکید کے لیے آتی ہے اور کسی بات کی شہادت اور گواہی کے طور پر بھی۔ اللہ نے جن چیزوں کی قسمیں کھائی ہیں اُن کا مقصد اُن چیزوں کی تعظیم نہیں، بلکہ اللہ کی توحید اور ایک ہونے پر شہادت، ثبوت اور گواہی کے طور پر ہیں۔ ''لیکن مزید اطمینان اور تفصیلی جواب کے لیے اگلے پیریڈ میں اس پر جو بحث ہوئی، اُس کو مرتّب کر کے یہاں پیش کیا جاتا ہے۔

اِس موضوع پر کتابیں دیکھیں۔ تفسیریں دیکھیں لیکن مختصر معلومات کے علاوہ کچھ نہ ملا۔ پھر ایک دن میری ذاتی لائبریری کی سینکڑوں کتابوں میں تلاش کرتے ہوئے مولانا حمید الدّین فراہیؒ کی کتاب ''اَلْاَمْعَانِ فِی اَقْسَامِ الْقُرآنِ'' کا اردو ترجمہ ''اقسام القرآن'' مترجمہ مولانا امین احسن اصلاحی ملا، جس سے اس موضوع پر بنیادی اور تفصیلی معلومات حاصل ہوئیں۔ جن کی روشنی میں، میں نے یہ نوٹس تیار کئے۔ اس میں بنیادی مواد مولانا فراہیؒ کا ہے اور زبان میری۔

قرآن مجید کی قسموں پر تین طرح کے اعتراضات کئے گئے ہیں:

1. پہلا اعتراض: قسم فی نفسہ اللہ تعالیٰ کی شان و عظمت کے خلاف ہے کیونکہ اپنی بات پر قسم وہ شخص کھاتا ہے جو اپنی ذات کو حقیر سمجھتا ہے اور جس کو بھروسہ نہیں ہوتا کہ

لوگ اس کی بات پر یقین کریں گے۔ جیسا کہ خود قرآنِ مجید میں ارشاد ہے: وَلَا تُطِعْ كُلَّ حَلَّافٍ مَّهِينٍ (القلم-۱۰) "(اے رسول) ہر ذلیل قسم کھانے والے کی بات نہ سُنو۔"

2. دوسرا اعتراض: قسم سے موافق یا مخالف کو کوئی فائدہ نہیں پہنچتا۔ قرآن مجید میں جن باتوں پر قسم کھائی گئی ہے؛ مثلاً قیامت، گھوڑے، سورج، دن، رات، انجیر، زیتون، زمانہ یا عصر کا وقت، قلم، دوات یا دیگر مظاہرِ قدرت وغیرہ، ان اُمور میں قسم کھانا بلکل بے فائدہ چیز ہے، کیونکہ ہر شخص یہ بات سمجھ سکتا ہے کہ اس سے نہ موافق کو کوئی فائدہ پہنچ سکتا ہے اور نہ مخالف کو، کیونکہ مخالف دلیل و حُجّت مانگتا ہے جبکہ قسم کو دلیل و حُجّت سے کوئی تعلق نہیں ہے اور موافق تو پہلے ہی سے ان حقائق کو مانتا ہے جن پر یہ قسمیں کھائی گئی ہیں۔ لہٰذا قسم سے موافق کو بھی کوئی فائدہ نہیں پہنچتا۔

3. تیسرا اعتراض: قسم ایسی چیز کی کھائی جاتی ہے جو عظیم الشان اور بلند مرتبہ ہو۔ حدیث میں ہے کہ: لَا تَحْلِفُوْا بِآبَائِكُمْ (بخاری) "اپنے آبا کی قسم مت کھاؤ"۔ یعنی غیر اللہ کی قسم کھانے یا اُٹھانے کی ممانعت کی گئی ہے، تو پھر اللہ تعالیٰ کے لیے یہ بات کیسے زیبا ہے کہ وہ اپنی مخلوقات کی قسم کھائے اور وہ بھی تین (انجیر)، کوہِ طور، زیتون، گھوڑے، چاند، سورج، ستارے، دن، رات وغیرہ جیسی حقیر چیزوں کی۔

مندرجہ بالا تین اعتراضات کا جواب اصولاً ایک ہی ہے کہ:

یہ تمام قسمیں اللہ کی قدرت اور طاقت پر دال ہیں یعنی جن چیزوں کی قسمیں کھائی گئی ہیں وہ اس بات کے ثبوت اور دلیل کے طور پر پیش کی گئی ہیں کہ تمام کائنات کا خالق اور مالک ایک اللہ ہے اور اس میں اس کا کوئی شریک نہیں ہے۔ یعنی یہ قسمیں اصل میں توحید اور اللہ کے وجود پر دلائل، شواہد اور ثبوت ہیں۔

## قسم کی تاریخ

ہر انسانی سماج میں، قسم موجود ہے اور اس کا ایک اہم کردار ہے۔ بعض اوقات آدمی، اپنے مخاطب کو مطمئن کرنے کے لیے ضرورت محسوس کرتا ہے کہ اپنی بات یا اپنے وعدے کو زور اور تاکید سے پیش کرے۔ ایک قوم دوسری قوم کے ساتھ اپنے بادشاہوں یا حکمرانوں کے ذریعے معاہدے کرتی ہے۔ اپنے باہمی امور اور معاہدوں کی پختگی اور اعتماد



Marfat.com

واطمینان کے لیے اس طرح کی تاکید اور توثیق ضروری سمجھتی ہے۔ انسانی سماج کی اس اہم ضرورت نے طرح طرح کے طریقے اور مخصوص الفاظ و اصطلاحات پیدا کیے ہیں۔ جن سے افراد اور اقوام اس کی تاکید کا اظہار کرنے لگے۔ یہ قسم کی اصل بنیاد اور جڑ ہے۔

## قسم اُٹھانے کے طریقے

**١۔ ہاتھ پر ہاتھ مارنا**: رومیوں، عبرانیوں اور عربوں کی تاریخ سے پتہ چلتا ہے کہ جب وہ کسی بات یا اپنے وعدے، قول یا معاہدے کی پختگی کا یقین دلاتے تو ایک فریق دوسرے فریق کا داہنا ہاتھ (Right Hand) پکڑ کر وعدہ کرتا تھا یا اس کے داہنے ہاتھ پر اپنا داہنا ہاتھ مارتا تھا۔ ایسا کرنا اس بات کی ضمانت ہوتا تھا کہ ہم اس وعدے، قول یا معاہدے کو نبھائیں گے، اس پر قائم رہیں گے اور اس بات کی ضمانت کے طور پر ہمارے داہنے ہاتھ یعنی ہم گرِو ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ سامی النّسل معاشروں یعنی جزیرۃ العرب کی قوموں یہودی، عیسائی اور مسلمانوں کی مذہبی زبانوں، عبرانی، آرامی اور عربی میں قسم کے لیے "یَمِیْنٌ" یعنی اقسام۔ یَمِیْنٌ واحد ہے اور اس کی جمع ہے۔ اَیْمَانٌ یعنی اقسام۔ یَمِیْنٌ کی ضد ہے یَسَارٌ یعنی داہنا ہاتھ۔ آج بھی ہم ایک دوسرے کے ہاتھ پر ہاتھ مار کر وعدہ لیتے ہیں۔ جسّاس کہتا ہے:

سَاُؤدِیْ حَقَّ جَارِیْ وَیَدِیْ رَھْنٌ فَعَالِیْ

"میں اپنے پڑوسی کا حق ادا کروں گا اور میرے ہاتھ میرے افعال کے بدلے گرو ہیں۔"

**٢۔ پانی کے ایک برتن میں ہاتھ ڈالنا**: کسی سے کسی بات یا معاہدے پر کاربند رہنے اور اقرار کرنے کے لیے یہ طریقہ بھی رہا ہے کہ سب معاہدے یا اقرار کرنے والے کسی پانی کے ایک ہی برتن میں مل کر ایک ساتھ داہنا ہاتھ ڈالتے، گویا سب مل کر عہد کرتے کہ وہ ایک دوسرے کے ساتھ اس بات پر متفق ہیں اور اس کی پاسداری کریں گے۔ سیرت کی کتابوں سے معلوم ہوتا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم مسلم خواتین سے عقائدِ ایمانیات و ارکانِ اسلام کی پابندی و منکرات سے پرہیز پر بیعت یا حلف و قسم اسی طرح لیا کرتے تھے۔

**٣۔ خوشبو لے کر باہم تقسیم کرنا اور ہاتھوں پر مَل لینا**: خوشبو پھیلنے والی چیز ہے۔

اس لیے عرب جب کوئی معاہدہ کرتے یا قسم لیتے تو ایک دوسرے کو خوشبو دیتے جو وہ اپنے ہاتھوں پر مل لیتے۔ اس سے یہ مراد ہوتی کہ جس طرح خوشبو دُور دُور تک پھیل جاتی ہے، اس طرح ہم اعلان کرتے ہیں کہ ہم اس عہد کو نبھائیں گے، جس کی مثالیں دُور دُور تک جائیں گی اور ہر دور کے لوگ اس کی مثال دیا کریں گے۔ اس لیے اس قسم کی قسم کو "عُرْفْ" "یعنی جانی پہچانی اور "نَشْرْ" یعنی پھیلنے والی قسم کہتے۔ عربی ادب کی کتابوں میں، دورِ جاہلیت کے ایک عطر "عِطرِ المُنشَم" کا ذکر آتا ہے کہ قبیلہٗ عبس وذبیان کی جنگ میں دونوں حریفوں نے ایک عطر فروش عورت "مُنشَم" سے خرید کر لگایا تھا۔ اسی لیے اس کو "عِطرِ المُنشَم" کہا گیا۔

**۴۔ کوئی چوپایہ ذبح کرکے اس کا خون ایک دوسرے کو ملنا:** اس سے یہ مراد ہوئی کہ ہم اپنی قسم یا عہد کو نبھانے کیلیے اپنا خون تک بھی بہا دیں گے۔

**۵۔ اپنی رَسّی دوسرے کی رَسّی کے ساتھ جوڑنا:** اس طرح کرنے سے دونوں فریق ایک دوسرے کے حلیف بن جاتے یعنی قسم میں بندھ جاتے۔ قرآن کریم نے بھی سورۂ آلِ عمران کی آیت نمبر ۱۱۲ میں "حَبْلِ" یعنی رسّی کو اسی مفہوم میں استعمال کیا: اِلَّا بِحَبْلٍ مِّنَ اللهِ وَحَبْلٍ مِّنَ النَّاسِ۔ "مگر اللہ کے عہد و پیمان کے ذریعے سے اور لوگوں کے عہد و پیمان کے ذریعے سے۔" یہاں اس آیت میں لفظ "حَبْلِ" یعنی رَسّی کو معاہدے، عہد اور امان کے معنوں میں استعمال کیا گیا ہے۔

دورِ جاہلیت کا مشہور شاعر امراء القیس کہتا ہے:

اِنِّیْ بِحَبْلِكَ وَاصِلٌ حَبْلِیْ
وَبِرِیْشُ نَبْلِكَ وَاصِلٌ نَبْلِیْ

"میں تیری رسی کے ساتھ اپنی رسی جوڑ دوں گا۔ اور تیرے تیر کے پَر کے ساتھ اپنا تیر لگا دوں گا۔"

**۶۔ نذر یا منّت ماننا:** نذر یا منّت ماننا بھی قَسَم ہی کی ایک قسم ہے کہ جب تک یہ کام نہ ہو جائے تب تک میں یہ کام نہ کروں گا۔ ہم غصّے میں آکر کہتے ہیں کہ میں جب تک اپنے دشمن سے بدلہ نہ لے لوں، اس وقت تک چین سے نہیں بیٹھوں گا یا یہ کام نہ کروں گا یعنی کسی چیز کو اپنے اوپر حرام کر لینا۔



Marfat.com

**۷۔ بددعا کرنا:** بد دعا کرنا بھی نذر سے ملتی جلتی چیز ہے کہ اگر ہم فلاں بات میں جھوٹے نکلیں تو ہم پر خدا کی لعنت ہو یا اگر ہم ایسا نہ کریں یعنی یہ قسم یا معاہدہ توڑ دیں تو ہم پر عذاب آئے یا کوئی آفت آئے وغیرہ۔

**۸۔ کسی چیز سے بغیر کسی شرط کے رک جانا:** اس کو عربی میں "اِیلَاء" کہتے ہیں۔ یعنی شوہر اپنی بیوی سے حقِ زوجیت چار ماہ تک ادا نہ کرنے کی قسم کھا بیٹھے۔ سورۂ بقرہ کی آیت نمبر ۲۲۴ میں ہے: لِلَّذِينَ يُؤْلُونَ مِنْ نِّسَآئِهِمْ تَرَبُّصُ اَرْبَعَةِ اَشْهُرٍ: "جو لوگ اپنی بیویوں سے نہ ملنے کی قسم کھا بیٹھتے تو ان کے لیے چار مہینے کی مہلت ہے۔"

**۹۔ ایک دوسرے کے فوطوں پر ہاتھ رکھنا:** قسم چونکہ ضمانت کی ایک قسم ہے لہٰذا یورپ کے لوگ جب بات کی ضمانت دیتے تو ایک دوسرے کے فوطوں یا خصیوں ( Testis) پر ہاتھ رکھتے۔ یورپ میں خاص طور پر یونانی دیومالا میں فوطوں یا خصیوں کو مردانگی کا جوہر سمجھا جاتا تھا۔ لہٰذا ایک دوسرے کے فوطوں پر ہاتھ رکھنے سے یہ مراد ہوئی کہ ہم اس کی ضمانت دیتے ہیں کہ ہم اپنی بات پر قائم رہیں گے۔ اسی لفظ Testis سے Testament یعنی حلفیہ معاہدہ، Testis کا لفظی مطلب شہادت Witness یا گواہی ہے۔ اسی سے تصدیق یا Testimony ہے۔ اسکاٹ لینڈ اور برطانیہ کے دیہی لوگ آج بھی ایسا ہی کرتے ہیں۔ ہمارے ملک کے عام بیوپاری بالخصوص چوپایہ مال کے بیوپاری خرید وفروخت طے کرتے وقت آج بھی ایسا ہی کرتے ہیں کہ بھیڑ، بکری، بھینس یا گائے کا بھاؤ طے کرتے وقت ایک دوسرے کی قمیض کے نیچے ہاتھ میں ہاتھ دیتے ہیں۔

**۱۰۔ داڑھی یا سر پر ہاتھ رکھنا:** قبائلی علاقوں میں آج بھی بالخصوص سندھ اور بلوچستان کے قبائل میں بات کی تاکید، یقین دہانی اور قسم کے لیے داڑھی پر ہاتھ رکھتے ہیں اور خواتین اپنی مانگ (سر) پر۔ سندھ میں اسے سینڈھ دینا یا داڑھی دینا کہتے ہیں۔

**۱۱۔ بیعت لینا:** بیعت لینا بھی ایک قسم کی قسم ہی ہے جس میں اقرار اور عہد کیا جاتا ہے کہ ہم ان باتوں پر کاربند رہیں گے۔ سورۃ فتح کی آیت ۱۰ میں بیعت رضوان کا اور سورہ ممتحنہ کی آیت ۱۲ میں مہاجر مومن خواتین سے بیعت لینے کا ذکر ہے۔



Marfat.com

## قسم کے لیے استعمال ہونے والے الفاظ

قرآن کریم میں قسم کے لیے مندرجہ ذیل الفاظ استعمال ہوئے ہیں۔
(۱) (قَسَمٌ) (۲) (حَلَفٌ) (۳) (ب جیسے بِاللّٰہِ (۴) ت جیسے تَاللّٰہِ (۵) و جیسے وَاللّٰہِ (۶) یَمِیْنٌ (۷) نَذْرٌ (۸) اِیْلَاءٌ (۹) ظِھَارٌ (۱۰) بَیْعَتٌ۔

## قسم اٹھانے کا مقصد

قرآن میں اللہ تعالیٰ کا، اپنی مخلوق کا قسم اٹھانے کا مقصد اس بات پر استشہاد اور استدلال ہے کہ اللہ کے سوا اس کائنات کا کوئی خالق و مالک نہیں ہے۔ ایک اللہ کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں ہے۔ جن چیزوں کی قسم کھائی گئی ہے وہ اس بات کا ثبوت ہیں، گواہی ہیں۔ دلیل ہیں کہ یہ ساری کائنات ایک اللہ نے پیدا کی ہے۔

## انسان کی قسم اور اللہ کی قسم اٹھانے میں فرق ہے

انسان جب کسی چیز کی قسم اٹھاتا ہے تو اس چیز کی تعظیم و تقدیس مقصود ہوتی ہے جس کی قسم اٹھائی جاتی ہے۔ لیکن جب اللہ اپنی مخلوق کی قسم اٹھاتا ہے تو اس میں تعظیم و تقدیس مقصود نہیں ہوتی، بلکہ استدلال، گواہی، دلیل یا شہادت اور ثبوت مقصود ہوتا ہے۔ قرآنِ مجید میں اللہ کی اٹھائی گئی قسموں کی ایک خاص نوعیت ہے جو انسانی قسم کے بلکل برعکس ہے۔ مثلاً صلوٰۃ اگر بندے کی طرف سے ہو گی تو دعا کے معنوں میں ہوتی ہے۔ لیکن اللہ کی طرف سے اگر کسی رسول یا بندے پر صلوٰۃ بھیجنے کا ذکر ہو تو وہ رحمت کے معنوں میں ہوتی ہے۔ اسی طرح اگر شکر انسان کی طرف سے ہو تو اللہ کی طرف سے اس نعمت کا اعتراف ہوتا ہے۔ شکر اگر اللہ کی طرف سے ہو تو یہ انسان کی نیکیوں کا بدلہ، پذیرائی اور انعام کے طور پر ہوتا ہے۔ مکر کا لفظ اگر انسان کی طرف سے ہو تو سازش اور منفی معنوں میں استعمال ہوتا ہے لیکن اگر اللہ کی طرف سے ہو؛ جیسے سورہ انفال میں ہے کہ وَاللّٰہُ خَیْرُ الْمَاکِرِیْنَ (آیت : ۳۰) تو اس کا مطلب ہو گا کہ اللہ تمام تدبیر کرنے والوں سے بہترین تدبیر کرنے والا ہے۔ اسی طرح قسم جب انسان کی طرف سے ہو تو تقدیس و تعظیم، معاہدہ،

Marfat.com

تدر یا منت، حلف، بد دعا، پابندی، ساتھ دینا، تاکید اور زور کے معنوں میں ہو گی۔ لیکن جب قسم اللہ کی طرف سے ہو تو وہ بطور ثبوت، گواہی اور دلیل ہوتی ہے کہ اللہ ایک ہے جس پر یہ پوری کائنات اور اس کا نظم و ضبط اور چیزیں دلیل، ثبوت اور گواہ ہیں کہ انسان ان چیزوں میں غور و فکر کرے، دیکھے کہ اگر اس کائنات کے دو خالق ہوتے تو اس کائنات کا نظام درہم برہم ہو جاتا۔

لَوْكَانَ فِيهِمَآ اٰلِهَةٌ اِلَّا اللّٰهُ لَفَسَدَتَا۔ (سورہ انبیآء : ۲۲)

"اگر اس کائنات میں اللہ کے سوا کوئی اور معبود ہوتا تو فساد برپا ہو جاتا"

***



Marfat.com

# حدیث کی حفاظت، جمع و تدوین اور ترتیب

حافظ عبدالوہاب منگریو
اسسٹنٹ پروفیسر اسلامیات

## حدیث کی جمع و تدوین کی ضرورت

چونکہ قرآن کریم کی تشریح و توضیح حدیث سے ہوتی ہے، اس لیے ضروری تھا کہ احادیث کو مختلف حوالے سے جمع کیا جائے۔ چنانچہ اسی مقصد کے پیش نظر احادیث کو جمع کیا گیا، اس کی اقسام بنائی گئیں، درجہ بندی کی گئی، نیز اصول و ضوابط اور شرائط بھی مقرر کیے گئے۔ لہٰذا حدیث واجبِ عمل ہے اور اس کا منکر کافر ہوگا۔

حدیث پر اعتراضات :-

(۱) اس قسم کی حدیث کا کیا اعتبار جو دوسری تیسری صدی ہجری میں تحریری شکل میں مرتب ہوئی۔

(۲) حدیث اگر واقعی اسلامی شریعت کا ماخذ ہوتی تو آپ ﷺ نے خود کیوں نہ مدون و مرتب کی۔

(۳) احادیث ہی سے پتہ چلتا ہے کہ آپ نے کتابت حدیث سے منع فرمایا تھا۔

## ابتدا میں احادیث کی تدوین نہ کرنے کے اسباب

(۱) اسلام سے پہلے یا ابتدائی دور میں عربوں میں لکھنے کا رواج نہ تھا۔

(۲) قرآن مجید کی طرف توجہ زیادہ ہو رہی تھی۔

(۳) قرآن مجید سے خلط ملط ہونے کا اندیشہ تھا۔ چنانچہ اسی اندیشہ کے مد نظر آپ نے منع کیا تھا۔ حضرت ابو سعید خدریؓ سے روایت ہے کہ آپ نے فرمایا: "لَا تَكْتُبُوا عَنِّي

Marfat.com

وَمَنْ كَتَبَ عَنِّيْ غَيْرَ الْحقِّ فَلْيَمْحُهُ وَحَدِّثُوا عَنِّيْ فَلاَ حَرَجَ وَمَنْ كَذَبَ عَلَيَّ مُتَعَمِّدًا فَلْيَتَبَوَّأْ مَقْعَدَهُ مِنَ النَّارِ" (صحیح مسلم)

"مجھ سے مت لکھو اور جس نے مجھ سے قرآن کے سوا لکھا پس اسے چاہیے کہ وہ اسے مٹا دے۔ البتہ مجھ سے بیان کر دے: اس میں کوئی حرج نہیں اور جس نے مجھ پر جان بوجھ کر جھوٹ بولا: پس اسے چاہیئے کے اپنا ٹھکانہ دوزخ کو بنالے۔"

## حدیث کی کتابت آپ ﷺ دور میں نامکمل ہونے کے اسباب

(۱) حدیث کا سلسلہ آپ ﷺ کی آخری زندگی تک جاری رہا۔

(۲) حفاظ حدیث عہد نبوی میں مختلف علاقوں میں منتشر ہو گئے تھے۔

(۳) بہت سارے کاتبین ایک ہی وقت میں جمع کرنا مشکل تھا، اس لیے یہ کہنا غلط ہو گا کہ آپ ﷺ کے وقت میں مکمل تدوین کیوں نہیں ہوئی۔

## حفاظتِ حدیث:

مجموعی طور پر تمام ادوار میں احادیث کی حفاظت تین طریقوں سے ہوئی ہے:

(۱). صَدرْی حفاظت یعنی احادیث کو مختلف صحابہ کرامؓ نے اپنے سینوں میں محفوظ کیا۔

(۲). کتابی حفاظت (تحریری حفاظت) احادیث مختلف حوالے سے جمع کر کے لکھی گئیں۔

(۳). تَعامُل صحابہؓ:- آپ ﷺ کی احادیث کے مطابق صحابہؓ کرام نے عمل کر کے دکھایا: مثلاً هٰكَذَا رَأَيْتُ رَسُوْلَ اللهِ يَفْعَلُ:- یعنی اسی طرح میں نے اللہ کے رسول کو کرتے ہوئے دیکھا۔

## حدیث کی حفاظت، جمع و تدوین اور ترتیب کے مختلف ادوار:

کل چار ادوار ہیں۔

(۱)**عہد نبوی صلی اللہ علیہ وسلم**: (پہلی صدی ہجری کے خاتمہ تک) یہ دور حدیث کی کتابت وضبط کا دور ہے (الف) آپ ﷺ نے دعوتِ اسلام کے سلسلے میں

تقریباً تین سو خطوط لکھوائے۔ (ب) مختلف عمّال (گورنر) کی طرف تحریری فرامین بھیجے، جن میں زکوٰۃ کے تفصیلی احکامات موجود تھے: مثلاً یمن کے حاکم عمروؓ بن حزم وغیرہ

(ج) یمن کے ایک صحابی ابو شاہؓ کی فرمائش پر حجۃ الوداع کے خطبہ کو لکھنے کا حکم دیا گیا۔

(د) مختلف قبائل سے آپ ﷺ نے تحریری معاہدے کئے: مثلاً صلح حدیبیہ وغیرہ۔

## حدیث کی کتابت کی چند مثالیں

عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ ؓ عَنِ النَّبِیِّ خَطَبَ.... فَذَکَرَ قِصَّةً فِی الْحَدِیْثِ.... فَجَآءَ رَجُلٌ مِنْ اَهْلِ الْیَمَنِ فَقَالَ اُکْتُبْ لِیْ یَا رَسُوْلَ اللهِ فَقَالَ اُکْتُبُوْا لِاَبِیْ فُلَانٍ اَیْ لِاَبِیْ شَاہٍ (صحیح بخاری ص ۲)

"ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ آپ نے خطاب کیا... بس حدیث میں ایک قصہ کا ذکر کیا... کہ ایک آدمی یمن والوں میں سے آیا تو اس نے عرض کیا کہ اے اللہ کے رسول ﷺ میرے لیے لکھوا لیں: تو آپ ﷺ نے فرمایا "فلاں کے باپ یعنی ابو شاہ کے لیے لکھ لو۔"

(۲) عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ عَمْرٍوؓ .... اُکْتُبْ فَوَالَّذِیْ نَفْسِیْ بِیَدِہٖ مَا یَخْرُجُ مِنْهُ اِلَّا حَقٌّ (سنن ابی داؤد ج ۲ ص ۵۱۳)

"عبداللہ بن عمروؓ سے روایت ہے، لکھو پس قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضہ میں میری جان ہے؛ اس (زبان) سے حق کے سوا نہیں نکلے گا۔"

(۳) عَنْ رَافِعِ بْنِ خُدَیْجٍؓ....... اُکْتُبُوْا وَلَا حَرَجَ (سنن ابی داؤد ج ۲ ص ۵۱۳) رافع بن خدیجؓ سے روایت ہے....... کوئی حرج نہیں۔"

(۴) عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ عَمْرٍو ........... قَیِّدُوا الْعِلْمَ بِالْکِتَابِ "عبداللہ بن عمروؓ سے روایت ہے)........ علم کو کتابت سے محفوظ کرو۔"

(۵) عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ مَسْعُوْدٍؓ....... نَضَّرَ اللهُ اِمْرَأً سَمِعَ مَقَالَتِیْ فَحَفِظَهَا وَوَعَاهَا وَاَدَّاهَا کَمَا سَمِعَهَا (مشکوٰۃ المصابیح صفہ ۳۵)

"عبداللہ بن مسعودؓ سے روایت ہے۔........ اللہ تعالیٰ ایسے آدمی کو خوشگوار کرے، جس نے میری بات سنی، پھر اسے محفوظ کیا اور اس کی نگرانی کی اور اسے ادا کیا؛ جیسے اسے سنا تھا۔"



Marfat.com

(۶) آپ ﷺ کے مرض الموت میں فرمایا تھا: اِیْتُوْنِیْ بِکِتَابٍ اَکْتُبُ لَکُمْ۔ "مجھے کتاب دو کہ میں تمہارے لیے لکھ لوں۔" (صحیح بخاری)

(۷) ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ ایک انصاری نے حافظہ کی کمزوری کی شکایت کی تو آپ ﷺ نے فرمایا: اِسْتَعِنْ بِیَمِیْنِکَ۔ "اپنے ہاتھ سے مدد کرو۔"

## عہد نبوی کے تحریری ذخائر

(۱) صحیفہ صادقہ (عبداللہ بن عمرو بن العاصؓ) (۲) صحیفہ صحیحہ (ھمام بن منبہؒ) (۳) صحیفہ علیؓ (یہ کافی ضخیم تھا) (۴) صحیفہ جابرؓ (۵) صحیفہ انس بن مالکؓ (۶) صحیفہ سعد بن عبادةؓ (۷) صحیفہ عمرو بن حزمؓ (۸) صحیفہ معاذ بن جبلؓ (۹) صحیفہ ابن عباسؓ (۱۰) صحیفہ ابی ہریرہؓ (۱۱) صحیفہ سمرة بن جندبؓ (۱۲) کتاب الصدقہ: آپ نے یہ مختلف علاقوں کے گورنروں کے لیے احادیث کا مجموعہ تیار کروایا تھا۔)

## حفاظ حدیث:

(۱) ابوہریرہؓ (عبدالرحمٰن بن صخر وفات ۵۹ھ آپ کے آٹھ سو شاگرد تھے۔ احادیث ۵۳۷۴ یاد تھیں۔)

(۲) عبداللہ بن عباسؓ: وفات: ۶۸ھ، احادیث: ۲۶۶۰ حفظ تھیں۔

(۳) عائشہ صدیقہؓ: وفات: ۵۸ھ، احادیث: ۲۲۱۰ حفظ تھیں

(۴) عبداللہ بن عمرؓ: وفات: ۷۳ھ، احادیث: ۱۶۳۰ حفظ تھیں۔

(۵) جابر بن عبداللہؓ: وفات: ۷۸ھ، احادیث: ۱۵۶۰ حفظ تھیں۔

(۶) انس بن مالکؓ: وفات: ۹۳ھ، احادیث: ۱۲۸۶ حفظ تھیں

(۷) ابوسعید خدری: وفات: ۷۴ھ، احادیث: ۱۱۷۰ حفظ تھیں

(۸) عبداللہ بن عمرو بن العاصؓ: وفات: ۶۳ھ

(۹) علیؓ، وفات: ۴۰ھ (۱۰) عمرؓ وفات: ۲۳ھ

(۱۱) ابو بکرؓ (۱۲) عثمانؓ (۱۳) ابوذر غفاریؓ

(۱۴) ابوایوب انصاریؓ (۱۵) معاذ بن جبلؓ

(۱۶) ابی بن کعبؓ (۱۷) ام سلمہؓ۔



Marfat.com

## (۲) حدیث کی حفاظت، جمع و تدین اور ترتیب کا دوسرا دور:

(ا) پہلی صدی کے آخر سے دوسری صدی کے وسط تک: یہ دور تصنیف و جمع کا دور کہلاتا ہے۔

(ا) جب حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ نے صفر المظفر ۹۹ھ میں منصب خلافت سنبھالا تو مدینہ کے گورنر سیدنا ابو بکر محمد بن عمرو بن حزمؒ (وفات ۱۲۰ھ) سمیت تمام علاقوں کے گورنروں کو اپنے اپنے علاقے میں احادیث جمع کرنے کا حکم صادر کیا۔

(۲) ایک مرتبہ انہوں نے ہی والئی مدینہ کو لکھا: "اُنْظُرْ اِلٰی مَا کَانَ مِنْ حَدِیْثِ رَسُوْلِ اللّٰهِ فَاکْتُبْهُ فَاِنِّیْ خِفْتُ دُرُوْسَ الْعِلْمِ وَذِهَابَ الْعُلَمَآءِ" (منهاج السنة)

"دیکھو جو رسول اللہ کی حدیث میں سے ہو، اسے لکھ لو؛ کیوں کہ مجھے علم کی تدریس اور علماء کے جانے کا خوف ہے۔"

(۳) نیز سیدہ عَمْرَۃُ بِنْتِ عبد الرحمن انصاریؓ اور سیدنا قاسمؒ بن محمد بن ابی بکر الصدیقؓ کے احادیث کے مجموعوں کو بھی جمع کرنے کا حکم فرمایا گیا۔ اس سے محدثین کی حوصلہ افزائی ہوئی اور ضبط حدیث کا کام زور شور سے کیا گیا۔

(۴) یہ دور تابعین کا دور ہے۔

(۵) احادیث کے ذخائر دار الخلافہ دمشق میں پہنچ گئے؛ نیز خلیفہ نے نقلیں کروا کر ملک کے گوشے گوشے اور کونے کونے میں بھیج دیں۔

## محدِّثین:

(ا) محمد بن مسلم بن عبید اللہ بن عبد اللہ بن شہاب الزہریؒ المدنی (وفات ۱۲۴ھ) مُدَوِّن اوّل

(۲) سیدنا عمرو بن دینار المکیؒ

(۳) امام قتادۃ بصریؒ

(۴) علامہ یحییٰ بن کثیر بصریؒ

(۵) امام ابو اسحاق الکوفیؒ

(۶) سلیمان اعمش کوفیؒ۔



Marfat.com

## تحریری ذخائر:

(۱) موطا امام مالکؒ: زمانہ تالیف ۱۳۰ھ تا ۱۴۰ھ ہے۔ روایات کی تعداد: ۱۷۲۰

(۲) جامع سفیان ثوریؒ (وفات ۱۶۱ھ)

(۳) جامع ابن مبارکؒ (وفات ۱۸۱ھ)

(۴) جامع امام اوزعیؒ (وفات ۱۵۷ھ)

(۵) جامع ابن جریجؒ (وفات ۱۵۰ھ)

(۶) کتاب الخراج قاضی ابویوسفؒ (وفات ۱۸۲ھ)

(۷) کتاب الآثار امام محمدؒ (وفات ۱۸۹ھ)

## (۳) تیسرا دور:

(دوسری صدی ہجری کے نصف سے چوتھی صدری ہجری کے خاتمے تک)، یہ ترتیب کا دور ہے۔ اس دور کی خصوصیات یہ ہیں:

(۱) احادیث نبویہ کو آثارِ صحابہ اور اقوال تابعین سے الگ کرکے مرتب کردیا گیا۔

(۲) قابل اعتماد روایات کے علیحدہ مجموعے تیار کیے گئے۔

(۳) حدیث کی حفاظت کے لیے محدثین کرام نے ۹۰ نوے سے زائد علوم کی بنیاد ڈالی جن پر اب تک ہزاریں کتب لکھی جاچکی ہیں؛ چند یہ ہیں: علم اسماء الرجال، علم مصطلح الحدیث، علم غریب الحدیث، علم تخریج الاحادیث، علم لاحادیث الموضوعۃ، علم الناسخ والمنسوخ، علم التوفیق بین الاحادیث، علم المختلف والمؤتلف (جن راویوں کے نام، کنیت، لقب وغیرہ ملتے جلتے ہیں)، علم اطراف الحدیث (فلاں روایت کس کتاب میں ہے اور اس کے راوی کون کون سے ہیں) فقہ الحدیث (اس میں احکام پر مشتمل احادیث واضح کی گئی ہیں)

## محدثین اور کتب:

(۱) امام احمد بن حنبلؒ: ولادت (۱۶۴ھ وفات ۲۴۱ھ) تالیف: "مسند احمد" ہے، اس میں ۳۰،۰۰۰ (تیس ہزار) روایات ہیں، اس کی ۲۴ جلدیں ہیں۔



Marfat.com

(۲) امام محمد بن اسماعیل بخاریؒ ولادت ۱۹۴ھ وفات ۲۵۶ھ، تالیف "صحیح بخاری" ہے۔ جس کا اصل نام ہے "الجامع الصحیح المسند المختصر من امورِ رسول اللہ ﷺ وایامہٖ" اس کتاب کی تالیف میں ۱۶ سولہ سال لگے، روایات کی تعداد ۹۰۸۲ ہے، شاگردوں کی تعداد ۹۰،۰۰۰ (نوے ہزار) ہے۔

(۳) امام مسلم بن الحجاج قشیریؒ ولادت ۲۰۲ھ وفات ۲۶۱ھ۔ تالیف صحیح مسلم ہے۔ امام بخاریؒ اور امام احمد بن جنبلؒ ان کے اساتذہ ہیں۔

(۴) امام ابوداؤد اشعث بن سلیمان سجستانیؒ، ولادت: ۲۰۲ھ، وفات: ۲۷۵ھ، تالیف: سنن ابی داوٗد ہے۔ یہ فقہی احکام پر مشتمل ہے، اس میں ۴۸۰۰ (چار ہزار آٹھ سو) احادیث ہیں۔

(۵) امام ابو عیسیٰ ترمذیؒ ولادت ۲۰۹ھ وفات ۲۷۹ھ تالیف جامع ترمذی ہے۔ فقہی مسائل پر مشتمل ہے۔

(۶) امام احمد بن شعیب نسائیؒ ولادت: ۲۱۵ھ، وفات: ۳۰۳ھ، تالیف: سنن نسائی یعنی اَلسُّنَنُ الْمُجْتَبٰی اور اَلسُّنَنُ الکبریٰ ہے۔

(۷) امام محمد بن یزید ابن ماجہ قزوینیؒ، ولادت: ۲۰۹ھ، وفات: ۲۷۳ھ، تالیف: سنن ابن ماجہ۔

(۸) مسندِ اسحاق بن ابراھیمؒ

(۹) مُسند ابی یعلیٰؒ

(۱۰) سُنن دار قطنیؒ

(۱۱) مُصنَّف عبدالرزاقؒ وغیرہ۔

## (۴) چوتھا دور:

(پانچویں صدی سے شروع ہوتا ہے اور جاری ہے) یہ دور تلخیص و تشریح کا دور ہے۔ اس دور کی خصوصیات یہ ہیں۔

(۱) حدیث کی اہم کتب کی شرحیں، حواشی اور دوسری زبانوں میں تراجم لکھے گئے۔

(۲) علومِ احادیث پر لکھی گئی کتب کی شرحیں اور خلاصے بھی لکھے گئے۔



Marfat.com

(۳) کتب احادیث پر استخراج واستدراک کیا گیا۔

(۴) اہل علم نے اپنے ذوق یا ضرورت کے مطابق کتب حدیث سے مختلف موضوعات پر احادیث جمع کر کے کتابیں مرتب کیں۔ مثلاً:

(۱) مشکوٰۃ المصابیح از ولی الدین خطیبؒ، اس میں عقائد، عبادات، معاملات، اخلاق، آداب اور قیامت کے حوالے سے روایات جمع کی گئی ہیں۔

(۲) ریاض الصالحین از امام ابو زکریا یحیٰی بن شرف نوویؒ، اس میں اخلاق و آداب پر روایات جمع کی گئی ہیں۔ ان کے علاوہ کتب بھی تالیف کی گئی ہیں، مثلاً:

(۳) مُنْتَقٰی الاخبار از مجد الدین ابو البرکات عبد السلام بن تیمیہؒ۔ اسکی شرح قاضی شوکانیؒ نے آٹھ جلدوں میں "نَیلُ الاَوطار کے نام سے مرتب کی ہے۔

(۴) بُلُوغُ المَرَام۔ از حافظ ابن حجرؒ۔ اس میں عبادات اور معاملات سے متعلق احادیث ہیں۔ ان کے علاوہ شیخ عبد الحق محدث دھلویؒ اور شاہ ولی اللہؒ نے بھی حدیث کی خدمت کی ہے، چنانچہ احادیث کے تراجم، شروح اور منتخب احادیث کے مجموعوں کی ترتیب واشاعت کا مقدس سلسلہ اب تک جاری ہے۔

چنانچہ عہد نبوی سے لے کر اب تک کوئی دور ایسا نہیں گذرا جس میں حدیث کے لکھنے اور روایت کرنے کا سلسلہ منقطع ہو گیا ہو۔ یہ ایسا فیض ہے جو رہتی دنیا تک چلتا رہے گا اور لوگ فیضانِ علمِ حدیث سے سیراب ہوئے رہیں گے۔

***



Marfat.com

# توبہ و استغفار: قرآن و سنّت کی روشنی میں

سکندر علی چنا

اسسٹنٹ پروفیسر اسلامیات

حضرت مولانا زوار حسین شاہ رحمۃ اللہ علیہ اپنی کتاب "عمدۃ السّلوک" حصہ اول، کے صفحہ نمبر ۹۰-۹۱ پر "توبہ اور اُس کا طریقہ" کے عنوان کے تحت لکھتے ہیں: "توبہ ایسی اچھی چیز ہے کہ اس سے سب گناہ معاف ہو جاتے ہیں اور جو آدمی اپنی حالت میں غور کریگا تو دیکھے گا کہ ہر وقت کوئی نہ کوئی گناہ کی بات ہو ہی جاتی ہے۔ اس لیے توبہ کی ہر وقت ضرورت ہے۔ گناہ خواہ صغیرہ ہو یا کبیرہ، فی الفور توبہ کرنا فرض ہے اور تاخیر ہر گز جائز نہیں۔ بعض لوگ گناہ کرتے رہتے ہیں اور کہتے ہیں کہ جب بوڑھے ہوں گے تو توبہ کرلیں گے؛ یہ دوسرا کبیرہ گناہ ہے۔ کیونکہ تاخیر کرنا حرام ہے۔ توبہ کی اصل، پشیمانی ہے اِس کی علامت یہ ہے کہ توبہ کرنے والا ہمیشہ اندوہ وحسرت میں رہے، گریہ زاری و تضرع اُس کی عادت ہو جائے۔ توبہ کا ثمرہ ارادہ ہے جو اِس پشیمانی کے سبب سے پیدا ہوتا ہے، وہ تین زمانوں سے تعلق رکھتا ہے: حال، ماضی اور مستقبل۔ حال سے توبہ تعلق یہ ہے کہ وہ سب گناہ ترک کر دے اور جو کچھ بھی اُس پر فرض اور واجب ہے اُس میں مشغول رہے۔ مستقبل سے یہ تعلق ہے کہ یہ عزم بالجزم کرلے کہ تمام عمر گناہوں سے صبر کروں گا اور ظاہر و باطن میں حق تعالیٰ سے پکا عہد کرلے کہ پھر کبھی گناہ کے قریب بھی نہ جاؤں گا اور فرض و واجب کی بجا آوری میں غفلت نہ کروں گا اور زمانہ ماضی سے ارادہ اِس طرح تعلق رکھتا ہے کہ گذشتہ گناہوں پر نادم ہو اور اُس کا تدارک کرے اور قرآن وحدیث میں جو عذاب کے ڈراوے گناہوں پر آئے ہیں اُن کو سوچے اور یاد کرے۔ اِس سے گناہ پر دل دُکھے گا۔ اُس وقت

Marfat.com

چاہیے کہ زبان سے بھی توبہ کرے اور جو نماز، روزہ وغیرہ فرض عبادت قضا ہوئی ہے، اُس کی بھی قضا (ادا) کرے اور اگر بندوں کے حقوق ضایع ہوئے ہوں تو اُن کو بھی ادا کرے یا معاف کرالے، پس ان کے تدارک میں جھٹ پٹ مشغول ہو جائے اور جو ویسے ہی گناہ ہوں، اُن پر بہت رنج کرے اور گڑ گڑا کر خدائے تعالیٰ سے خوب معافی مانگے۔

بزرگوں نے کہا ہے کہ آٹھ کام ہیں جب گناہ کے بعد کئے جائیں تو گناہ کا کفارہ ہو جاتا ہے۔ چار دل میں ہیں: (۱) توبہ یا توبہ کا قصد (یا ارادہ) (۲) اِس بات کا عزم کہ پھر ایسا نہ کروں گا۔ (۳) اُس گناہ کے سبب عذاب کا خوف (۴) عفوؔ کی اُمید۔ اور چار بدن میں ہیں: (۱) دو رکعت نماز توبہ پڑھے (۲) ستر بار استغفار کرے (۳) سو بار کہے "سبحان اللہ العظیم وَبِحَمدِہٖ" (۴) صدقہ دے جس قدر ہو سکے، ایک دن کا روزہ رکھے اور بری صحبت کو چھوڑ دے۔ اس امر میں علمآء کا اختلاف ہے کہ اگر کوئی شخص اپنے بعض گناہوں سے توبہ کرے، سب گناہوں سے (توبہ) نہ کرے تو یہ درست ہے یا نہیں؟ صحیح یہ ہے کی جس گناہ صغیرہ سے آدمی توبہ کرتا ہے وہ توبہ اُس کا کفارہ ہو جاتی ہے اور وہ گناہ نیست و نابود ہو جاتا ہے۔ سب گناہوں سے ایک ہی دفعہ توبہ کرنا مشکل ہے اور اکثر تو بتدریج ہی ہوتی ہے اور جس قدر گناہوں سے توبہ نصیب ہو گی اُسی قدر ثواب ملے گا اور جس گناہ سے توبہ نہیں کی اُس کا وبال اُس پر باقی رہے گا اور جس نے یہ کہا کہ بعضے گناہوں سے توبہ درست نہیں۔ اِس کا مطلب یہ ہے کہ جو اللہ پاک نے فرمایا ہے: اِنَّ اللہ یُحِبُّ التَّوَّابِینَ (خدائے تعالیٰ توبہ کرنے والوں کو محبوب رکھتا ہے) بظاہر یہ محبت کا مرتبہ اُسی توبہ کرنے والے کو حاصل ہو گا جو سب گناہوں سے توبہ کرے۔ نیز جاننا چاہیے کہ زبانی استغفار جس کو دل میں دخل نہ ہو مفید نہیں ہوتا اور دل کی شرکت اِس طرح ہوتی ہے کہ استغفار کرتے وقت دل میں ہراس اور تضرع ہو اور دل خجالت و ندامت سے خالی نہ ہو۔ جب یہ حالت پیدا ہوئی تو اگرچہ توبہ کرنے کا مصمم قصد بھی نہ ہو مگر آدمی بخشدیئے جانے کا اُمیدوار ہے۔ بہر حال غفلتِ دل کے ساتھ زبانی استغفار بھی فائدہ سے خالی نہیں کہ زبان کو بیہودہ باتوں ہی سے روکے گا اور چُپ رہنے سے بھی بہتر ہے۔ اِس لیے کہ جب زبان کو نیک عادت پڑی تو گالی اور بیہودہ بات وغیرہ کی بہ نسبت استغفار کی بہت رغبت ہو گی اور تیرا ایک عضو تو استغفار میں لگا رہا اور اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے کبھی نہ کبھی عزم بالجزم اور حضورِ قلب بھی حاصل ہو ہی جائے گا۔



Marfat.com

دردمندانِ گُنہ را روز و شب    شربتے بہتر ز استغفار نیست

"گناہ کے دردمندوں کے لیے دن رات۔
استغفار سے بہتر شربت نہیں ہے"

## توبہ کا مفہوم کیا ہے؟

تَابَ تَوبًا۔ توبۃ۔ مَتَابًا۔ کے معنی ہیں واپس آجانا۔ اصطلاح میں اس سے مراد ہے "گناہ چھوڑ کر اللہ تعالیٰ کی طرف متوجہ ہونا۔ نادم و پشیمان ہونا۔" (المنجد ۔۔۔ ص ۹۰)

"ایک انسان اپنے نفس کی اُکساہٹ کی وجہ سے جذبات کے رو میں ایک غلط کام کر لیتا ہے۔ مگر اُسے فوراً احساس ہو جاتا ہے کہ اُسے ایسا نہیں کرنا چاہیے تھا۔ اِس لیے وہ فوراً اپنے رب کے حضور، اپنی ندامت کا اظہار کرتا، اپنی غلطی کا اعتراف کرتا اور پروردگار کے ساتھ یہ وعدہ کرتا ہے کہ وہ آئندہ اِس غلطی کا ارتکاب نہیں کرے گا؛ اِسے توبہ کہتے ہیں۔ سچے دل سے توبہ کو اللہ قبول کرتا ہے، البتہ اگر معاملہ حق تلفی سے متعلق ہو تو یہ بھی ضروری ہے کہ انسان ممکنہ حد تک اُس کا مداوا کرے" (اسلام کیا ہے۔ ص ۱۸۵- ۱۸۶)

"آپ شاہراہ حیات پر چلے جارہے ہیں۔ راستے میں ایک چوراہا آیا، جہاں سے آپ ایک طرف کو مڑ گئے۔ چند قدم آگے جا کر آپ کو محسوس ہوا کہ آپ کا قدم غلط سمت کو اُٹھ گیا ہے۔ صحیح راستہ یہ نہیں۔ اب آپ کو صحیح راستے کی طرف جانے کے لیے، اُس مقام تک لوٹ کر آنا ہوگا جہاں سے آپ کا قدم غلط سمت کو اُٹھا تھا۔ اِس واپسی کو توبہ کہتے ہیں۔ ظاہر ہے کہ اس کے لیے آپ کو چل کر واپس آنا ہوتا ہے۔ وہیں کھڑے کھڑے، اگر آپ عمر بھر بھی افسوس کرتے رہینگے کہ میں نے غلط سمت کی طرف کیوں قدم اٹھایا تو یہ توبۃ نہیں ہوگی۔ تَوبۃ ایک عملی قدم ہے جس سے غلط کام کو un-do کیا جاتا ہے۔ اِس کے مضر اثرات کی تلافی کی جاتی ہے۔ تابَ عَنہُ اور مِنہ کے معنی ہیں؛ اُس نے اپنی غلطی کا احساس کر کے غلط روش کو چھوڑ دیا اور صحیح راستے کی طرف لوٹ آیا۔ غلطی کا احساس، احساس کے بعد غلط روش سے اجتناب اور پھر صحیح روش اختیار کرنا، یہ تینوں مراحل تَوبَۃ کے اندر شامل ہیں۔ ایسا کرنے والے کو تائِبُ کہتے ہیں۔ اِسی لیے قرآن کریم میں آیا ہے کہ اِنَّ الحسَنَاتِ یُذھِبنَ السَّیِّاٰتِ (۱۱/۱۱۴) "اعمال حسنہ میں یہ صلاحیت ہوتی ہے کہ وہ غلط اعمال کے نقصان رساں



Marfat.com

نتائج کا ازالہ کر دیں۔" اِسی کو توبہ کہتے ہیں۔ یعنی غلط کام کے نقصان رساں نتائج کی تلافی کے لیے صحیح کام کرنا۔ اس مقام پر ایک نکتہ کا سمجھ لینا ضروری ہے۔ آپ نے کسی شخص کا کوئی حق دبالیا۔ کچھ عرصے کے بعد آپ کو اپنی اِس غلط حرکت کا احساس ہوا۔ آپ کے دل میں ندامت کے جذبات بیدار ہوئے۔ آپ کی توبہ یہ ہے کہ آپ اُس شخص کا حق واپس دیدیں اور آئندہ کے لیے عہد کریں کہ آپ کبھی کسی کی حق تلفی نہیں کریں گے۔ دوسری شکل یہ ہے کہ آپ نے شراب پی لی۔ کچھ وقت کے بعد آپ کو اپنی غلط کاری کا احساس ہوا۔ اِس میں توبہ کی شکل یہی ہے کہ آپ اپنے عمل پر نادم ہوں اور آئندہ کے لیے کبھی اُس کے مرتکب نہ ہوں۔

شروع میں بیان کردہ مثال میں، جب آپ نے اُس چوراہے سے غلط راستہ اختیار کیا تھا؛ تو صحیح راستے نے آپکا ساتھ چھوڑ دیا تھا۔ جب آپ نے اپنی غلطی کے احساس کے بعد غلط راستے کو چھوڑ دیا اور صحیح راستے کی طرف رخ کیا تو صحیح راستے نے بھی (جو اُس وقت تک آپ سے منہ موڑے ہوئے تھا) آپ کی طرف رخ کر لیا۔ رخ ہی نہیں کر لیا بلکہ آپ نے اُس کی طرف ایک قدم اٹھایا تو وہ دو قدم اُٹھا کر آپ کی طرف بڑھ آیا۔ دو قدم اِس طرح کہ ایک قدم وہ کم ہوا جو آپ پہلے مخالف سمت میں جاتے وقت اٹھا رہے تھے اور دوسرا قدم وہ جو آپ نے اُس کی طرف اُٹھایا۔ اِسے تَابَ عَلَیہ کہتے ہیں اور ایسا کرنے والے کو تَوّابُ۔ اِنَّہٗ کَانَ تَوَّابًا (۱۱۰/۴) خدا کے متعلق ہے اور اِنَّ اللّٰہَ یُحِبُّ التَّوَّابِینَ (۲/۲۲۲) بندوں کے متعلق۔ یعنی جب انسان غیر خدائی قانون کو چھوڑ کر قانونِ خداوندی کی طرف رخ کرتا ہے تو یہ قانون اپنے تمام خوشگوار نتائج کو لیے ہوئے، اُس انسان کی طرف متوجہ ہو جاتا ہے۔ اِسی لیے (۳/۱۲۷) میں یہ لفظ عذابُ کے مقابلے میں آیا ہے۔ نیز (۹/۱۰۴) میں۔ بالفاظِ دیگر انسان کسی جرم کے ارتکاب سے ابدی طور پر زندگی کی خوشگواریوں سے محروم نہیں ہو جاتا۔ وہ جب بھی قانونِ خداوندی کو اختیار کریگا اُس قانون کے خوشگوار نتائج اُس کی طرف لپک کر آجائیں گے۔ یعنی ہر شخص کے لیے باز آفرینی کا امکان موجود ہوتا ہے اور اسی طرح ہر قوم کے لیے نَشْأَۃِ ثَانِیَہ کا امکان۔ لیکن یہ باز آفرینی اُسی وقت تک ممکن ہے، جب انسان کے لیے عمل صالح کرنے کا امکان ہو۔ جب عمل کا موقع ختم ہو جائے، پھر باز آفرینی ناممکن ہو جاتی ہے۔ جہنم میں عمل کا موقع باقی نہیں رہتا؛ اِس لیے باز آفرینی ناممکن ہو جاتی ہے۔



Marfat.com

لطائف اللغتہ میں ہے کہ توبہ سابقہ گناہوں پر ندامت کو کہتے ہیں اور اِنابت، مستقبل میں ترکِ معاصی کو" (لغات القرآن جلد اول صفحہ ۳۸۷-۳۸۶)

"اَلتّوبُ کے معنی گناہ کے باحسن وجوہ ترک کرنے کے ہیں اور یہ معذرت کی سب سے بہتر صورت ہے۔ کیونکہ اعتذار کی تین ہی صورتیں ہیں۔ پہلی صورت یہ ہے کہ عذر کنندہ اپنے جرم کا سِرے سے انکار کر دے اور کہہ دے لَم اَفعلہ کہ میں نے کیا ہی نہیں۔ دوسری صورت یہ ہے کہ اُس کے لیے وجہ اور جواز تلاش کرے اور بہانے تراشنے لگ جائے۔ تیسری صورت یہ ہے کہ اعترافِ جرم کے ساتھ آئندہ نہ کرنے کا یقین بھی دلائے۔ الغرض اعتذار کی یہ تین ہی صورتیں ہیں اور کوئی چوتھی صورت نہیں ہے اور اس آخری صورت کو توبہ کہا جاتا ہے۔" (مفردات القرآن۔ جلد اول ص ۱۴۸)

## مغفرت سے کیا مراد ہے؟

اَلغَفرَ کے معنی کسی کو ایسی چیز پہنا دینے کے ہیں جو اُسے میل کچیل سے محفوظ رکھ سکے۔ اِسی سے محاورہ ہے اِغفِر ثوبکَ فی الوِعَاءِ اپنے کپڑوں کو صندوق وغیرہ میں ڈال کر چھپا دو۔ اِصبَغ ثَوبَکَ فَانہ اَغفر لِلوسَخِ کپڑے کو رنگ لو کیونکہ وہ میل کچیل کو زیادہ چھپانے والا ہے۔ اللہ کی طرف سے مَغفِرۃُ یا غُفرانُ کے معنی ہوتے ہیں؛ بندے کو عذاب سے بچا لیا۔ اور اِستغفارُ کے معنی قول و عمل سے مغفرت طلب کرنے کے ہیں۔"

(مفردات القرآن دوم ص ۷۵۷)

"غَفرُ۔ صاحب محیط نے کلیات کے حوالے سے لکھا ہے کہ اس کے معنی کسی کو ایسی چیز پہنا دینا ہے جس سے وہ غلاظت وغیرہ سے محفوظ رہے۔ لہٰذا اِس میں چھپانے اور محفوظ رکھنے کا مفہوم شامل ہوتا ہے۔ غَفرُ۔ چھپانا۔ پردہ ڈالنا۔ غَفَرَ المتاعَ فِی الوِعَاءِ۔ سامان کو کسی برتن میں ڈال کر چھپا دینا۔ (اور اس طرح اس کی حفاظت کر دینا۔) اَلمِغفَرُ وَالغِفارَۃُ زرہ کی طرح آہنی حلقوں سے بنی ہوئی جالی جو خود کے نیچے پہنی جاتی ہے اور جو گردن اور مونڈھوں کو ڈھانپ لیتی ہے تاکہ ان پر تلوار وغیرہ کا اثر نہ ہو اور اس کا پہننے والا حملہ آور کے وار سے محفوظ رہے۔ اَلغِفَارَۃُ۔ ایک پٹی سی ہوتی ہے، جسے عورتیں اس لیے سر پر باندھ لیتی ہیں کہ ان کی اوڑھنی تیل سے محفوظ رہے۔ اِس کے اوپر اَلخِمارُ (چادر) اوڑھتی ہیں۔



Marfat.com

اَلجَنَّاءُ الغفِيرُ۔ وہ خود جو سارے سر کو اندر لے لے اور اس طرح اس کی حفاظت کردے۔
اَلغفرُ وَالغُفرانُ۔ ایک ہی معنی میں آتے ہیں (ابن فارس)۔

اِس سے مَغفِرَۃ کے معنی واضح ہو جاتے ہیں یعنی حفاظت۔ جب کوئی قوم غلط روش اختیار کرتی ہے تو اس روش کے مضر اثرات مرتب ہونے شروع ہو جاتے ہیں۔ لیکن قبل اس کے کہ وہ اثرات اس حد تک آگے بڑھ جائیں کہ ان کی ہلاکت یقینی ہو جائے، اگر وہ قوم اس غلط روش کو چھوڑ کر، قانونِ خداوندی کے مطابق روش اختیار کر لیتی ہے تو اُس پر دُھرے اثراتے مرتب ہونے شروع ہو جاتے ہیں۔ ایک تو اُس کی سابقہ روش کے مضر اثرات سے اُس کی حفاظت ہو جاتی ہے اور دوسرا اُسے زندگی کے خوشگوار نتائج ملنے شروع ہو جاتے ہیں۔ ان نتائج کے استحکام کے لیے بھی حفاظتی پہلو کا ساتھ ساتھ رہنا بہت ضروری ہوتا ہے۔ یوں سمجھیے جیسے مرض کے علاج کیلیے پہلے حفاظتی تدابیر (Preventives) اور اُس کے بعد اِصلاحی تدابیر (Curatives) اختیار کی جاتی ہیں۔ اِسی طرح تندرست انسان کی نشو نما کے لیے ضروری ہے کہ وہ صحت کو خراب کرنے والے مضر عناصر سے محفوظ رہے؛ اُسے ایسی غذا ملتی رہے جس سے اُس کی نشوو نما ہوتی چلی جائے۔ لہٰذا:

(۱) اگر غلط روش پر چلنے والی قوم کسی مقام پر پہنچ کر اپنے اصلاحِ حال کی فکر کے قانونِ خداوندی کی طرف رجوع کرتی ہے (جسے تَوبة کہتے ہیں) تو اِس سے اُس کے اندر ایسی توانائی پیدا ہونی شروع ہو جاتی ہے، جس سے وہ اپنی سابقہ غلط روش کے مضر اثرات سے محفوظ ہو جاتی ہے؛ یہ اُس کی مغفرت ہے۔

(۲) قانونِ خداوندی کے مطابق چلنے والی قوم، اُن تخریبی قوتوں کی مزموم کوششوں سے محفوظ رہتی ہے، جو اُس کی تباہی وبربادی کی تدابیر کرتی رہتی ہیں۔ یہ اُن کی مَغفِرَۃ' ہے۔

(۳) قوانینِ خداوندی کے اتباع سے اپنی ذات کے اندر ایسی صلاحیت پیدا کرتے رہنا، جس سے انسان تخریبی عناصر کے مضر اثرات سے محفوظ رہے اور اجتماعی طور پر ملت اور اُس کے نظام کے استحکام کے لیے سامانِ حفاظت بہم پہنچاتے رہنا، اِستغفارُ (مَغفِرَتُ طلب کرنا) ہے۔ چنانچہ صاحب محیط نے لکھا ہے کہ الاِستغفارُ کے معنی ہیں قول اور عمل سے کسی فساد انگیز بات کی اصلاح کی کوشش کرنا۔ حفاظت چاہنا اور مَغفِرَتُ کے



Marfat.com

معنی ہیں بندے کی لغزشوں سے تجاوز کر کے اُس سزا سے اُس کو بچالینا جس کا وہ مستحق ہو چکا ہے۔(لغات القرآن۔ جلد سوم ص ۱۲۳۳-۱۲۳۴)

"عفوٌ کے معنی ہیں سزا کے بعد اُس کے اثرات کو مٹادینا۔ لیکن مغفرت کے معنی ہیں شروع ہی سے اُن اثرات سے محفوظ رکھنا۔ اِسی لیے قرآن کریم میں مَغفِرۃ عذابٌ کے مقابلے میں آیا ہے۔ (۳/۱۲۸،۲/۱۷۵) سورۃ بقرۃ میں مَغفِرۃٌ بمقابلہ فَقرٌ آیا ہے۔ (۲/۲۶۸) یعنی احتیاج وافلاس سے محفوظ رکھنا"۔ (لغات القرآن جلد سوم ۱۲۳۵)۔ استغفار، کوئی بھی پڑھنا چاہیے دعاؤں اور وظائف کی کتابوں میں لکھے ہوئے ملتے ہیں یا کسی بھی دینی عالم یا اپنے مرشد کا بتایا ہوا استغفار پڑھا جائے۔ صبح وشام کم از کم ایک سو مرتبہ۔

## تو بۃُ واستغفار کے مفہوم کا خلاصہ

مندرجہ بالا حوالات سے ہم اِس نتیجے پر پہنچے ہیں کہ:

توبہ سے مراد یہ ہے کہ انسان اپنی غلطیوں، لغزشوں، گناہوں اور کوتاہیوں پر شرمسار، نادم اور پشیمان ہو اور جیسے ہی اُسے اپنی غلطیوں کا احساس ہو فوراً یہ پکا اور پختہ ارادہ کرلے، آئندہ یہ غلطیاں نہیں دہرائے گا؛ یہ گناہ نہیں کرے گا۔ جو گناہ حقوق العباد یعنی (Human Rights) سے تعلق رکھتے ہیں، وہ اُن لوگون کے حقوق ادا کرے اور اگر ادا نہیں کر سکتا تو اُن سے بخشوائے؛ اُن سے معافی مانگے اور آئندہ کسی کی حق تلفی نہ کرے اور جو کوتاہیاں حقوق اللہ (Divine Rights) کے سلسلے میں ہوئی ہیں، اُن کو دہرانے سے بچے۔ مثلاً نماز، روزہ، اللہ کا ذکر، تلاوتِ قرآن مجید وغیرہ جو نہیں کرتا تھا تو اب یہ پکا ارادہ اور عزم کرلے کہ اِن کاموں میں کوتاہی نہیں کریگا۔

استغفار سے مراد یہ ہے کہ انسان اپنے کیے پر نادم ہونے کے ساتھ ساتھ یعنی اللہ کی طرف رجوع کرنے کے ساتھ ساتھ، اللہ سے اپنے قول اور فعل کے ذریعے بخشش مانگتا رہے۔ توبہ اور استغفار لازم وملزوم ہیں۔ مختصر یہ کہ گناہ ہو جانے کے بعد اُس کی خلش کے احساس پر نادم وشرمسار ہونا توبہ ہے اور اُس گناہ کے بد اثرات سے محفوظ رہنے کے عمل کا نام استغفار ہے۔



Marfat.com

قرآنِ کریم میں قصہ آدم و ابلیس میں ہمارے لیے توبہ و استغفار کے لیے بنیادی طور پر بتایا گیا ہے۔ اُس کے تحت:

(۱) آدم و حوّا دونوں سے لغزش ہوئی اور اس لغزش کے بعد اُن دونوں کو اِس پر ندامت محسوس ہوئی۔

(۲) آدم و حوّا نے اپنی لغزش کا اعتراف کیا یعنی لغزش کا ذمہ دار خود کو / اپنے آپ کو قرار دیا۔

(۳) آدم و حوّا نے توبہ کے بعد، اپنی لغزش کے تکلیف دہ واثرات سے محفوظ رہنے کے لیے استغفار کیا۔

(۴) اللہ تعالیٰ نے اُن کی توبہ و استغفار کو قبول کیا اور انہیں بخش دیا اور دنیا و آخرت کی خوشگواریاں عطا کیں۔

(۵) اس کے برعکس ابلیس نے اپنے کیے کا ذمہ دار اپنے آپ کو ٹھہرانے کے بجائے اللہ کو قرار دیا اور ذلیل و خوار ہوا۔

(۶) توبہ کے بعد اپنے اعمال کی اصلاح ضروری ہے۔

(۷) "گناہ سے توبہ کرنے والا ایسا ہے؛ جیسا وہ شخص جس نے کوئی گناہ نہ کیا ہو" (اَلتَّائِبُ مِنَ الذَّنبِ کَمَن لاَ ذَنبَ لَہ) (الحدیث) (شریعت و طریقت ص ۱۲۳)

(۸) رَسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ "بیشک میں ہر روز ستر دفعہ استغفار کرتا ہوں۔" (انی لَاستغفِر اللہ فی کُلِّ یَومٍ سَبعینَ مَرَّۃ) (شریعت و طریقت ص ۱۲۳)

(۹) صحیح مسلم کی حدیث میں ہے کہ رسول ﷺ نے فرمایا: "اللہ کی قسم میں دن میں سو مرتبہ سے زیادہ اللہ کی بخشش چاہتا ہوں (یعنی اَستغفِر اللہ) کہتا ہوں اور اُس اللہ کی طرف سو بار توبہ کرتا ہوں۔"

(شب و روز کی دعائیں۔ ص ۵۲)

## کیا توبہ ٹوٹ جانے کے بعد دوبارہ توبہ ہو سکتی ہے؟

قدرت اللہ شہاب رحمت اللہ علیہ اپنی مشہور تصنیف "شہاب نامہ" کے آخری باب "چھوٹا منہ بڑی بات" میں لکھتے ہیں: "توبہ کی جانب میری پہلی توجہ محض ایک اتفاقی واقعہ



Marfat.com

سے مرکوز ہوئی۔ ایک بار مجھے قونیہ (ترکی) میں صاحب مثنوی معنوی مولانا جلال الدین رومی رحمت اللہ علیہ کے مزار پر حاضر ہونے کا موقعہ نصیب ہوا۔ مزار کی عمارت کے صدر دروازے پر جلی حروف میں یہ رباعی تحریر تھی:

باز آ باز آ ہر آنکہ ہستی باز آ
گر کافر و گبر و بت پرستی باز آ
ایں درگہِ ما درگہِ نومیدی نیست
سو بار گر توبہ شکستی باز آ

واپس آجا واپس آجا تو جو کوئی بھی ہے واپس آجا
اگر تو کافر و مشرک اور بت پرست بھی ہے تو واپس آجا
ہماری یہ درگاہ ناامیدی کی درگاہ نہیں ہے
اگر تو سو بار بھی توبہ توڑ چکا ہے تو پھر بھی واپس آجا

اس رباعی پر نظر پڑتے ہی اِس کا ایک ایک لفظ تیر کی طرح میرے سینے میں پیوست ہو گیا اور توبہ کی عظمت اور سہولت اور آسودگی کا مفہوم بجلی کی لہر کی طرح میرے تن بدن میں سرایت کر گیا۔ مجھے بے اختیار یہ محسوس ہوا گویا یہ رباعی میرے جیسے گناہگاروں اور روسیاہوں کو توبہ کی طرف راغب کرنے کے لیے ہی ایسے مقام پر آویزاں کی گئی ہے جہاں پر اس کا اثر برقی رَو کی طرح دل و دماغ کو گداز کر دیتا ہے۔

اسی روز میرے دِل میں یہ یقین راسخ ہو گیا کہ ہر مسلمان میں نورِ ایمان ہے۔ گو اُس کے آثار پورے طور پر ظاہر نہ ہوں۔ جیسے کوئی حسین اپنے چہرے پر سیاہی مل لے اور اُس کا حسن مستور ہو جائے، مگر جس وقت صابن سے دھوئیگا، چاند سا مکھڑا نکل آئیگا۔ ایسے ہی بعض مسلمانوں کا نور گناہوں کی وجہ سے ڈھکا چھپا رہتا ہے۔ لیکن جس وقت توبہ کرے گا اُسی وقت قلبِ مُنوّر نظر آنے لگے گا۔ دوبارہ کالک لگے گی تو توبہ کا صابن پھر اُسے دھوڈالیگا۔ اِسی طرح تیسری بار، اِسی طرح چوتھی بار اور بار بار۔ کیونکہ اُس توابُ الرحیم کی رحمت، انسان کی بداعمالیوں سے بہت زیادہ وسیع ہے۔

اس کی مثال دھوبی کی طرح ہے ہم اپنے کپڑے گناہوں سے گندے کر دیتے ہیں۔ توبہ کرلیں تو دھوبی انہیں دھوڈالتا ہے۔ دوبارہ گندے کر دیں، توبہ کی برکت سے پھر دھوڈالتا



Marfat.com

ہے۔ اسی طرح سہ بار، چہار بار، حتیٰ کہ صد بار بھی ایسا ہی ممکن ہے۔ البتہ یہ خطرہ ضرور ہے کہ بار بار دُھلنے سے کپڑے کی اصلی آب و تاب اور توانائی میں کمی ضرور آجاتی ہے۔ اسی لیے توبہ کرنے کے بعد اُس میں ثبات اور استحکام پیدا کرنا لازمی ہے۔ کہتے ہیں کہ گناہ کرنے سے دل پر ایک سیاہ دھبہ پڑ جاتا ہے۔ توبہ کرلیں تو یہ دھبہ مٹ جاتا ہے۔ توبہ نہ کریں اور گناہوں کے مرتکب ہوتے رہیں تو انسان کا دل تاریکی کے اندھے کنویں کی صورت اختیار کرلیتا ہے۔ چنانچہ قرآنِ حکیم میں ارشادِ الٰہی ہے:

"۔۔۔ بات یہ ہے کہ آنکھیں اندھی نہیں ہو جایا کرتیں بلکہ دل جو سینوں میں ہیں وہ اندھے ہو جایا کرتے ہیں۔" (پارہ ۱۷، سورۃ الحج۔ آیت ۴۶)

"ہر گز ایسا نہیں، بلکہ اِن کے دلوں پر ان کے اعمال کا زنگ بیٹھ گیا ہے۔" (پارہ ۳۰ سورۃ المطففین، آیت ۱۴)

## توبہ کرنے کا طریقہ

جو میں نے سیکھ رکھا ہے، وہ نہایت آسان ہے۔ جب کبھی کوئی گناہ سرزد ہو جائے تو جلد از جلد دو رکعت صلوٰۃ توبہ پڑھے۔ یہ عام نماز کی طرح پڑھی جاتی ہے اور اِس میں پڑھنے کے لیے کوئی خاص سورتیں مقرر نہیں ہیں۔

(۱) دو رکعتوں کے بعد ستر بار یہ استغفار پڑھے: رَبِّ اِنِّیْ ظَلَمْتُ نَفْسِیْ وَعَلِمْتُ سُوْٓءً فَاغْفِرْلِیْ ذُنُوْبِیْ (اے میرے رب میں نے اپنے ہی نفس پر ظلم کیا اور برائی کر بیٹھا۔ پس میرے گناہ بخش دے،")

(۲) اِس کے بعد ایک سو ایک مرتبہ سبحان اللہ العظیم وَبِحَمْدِہٖ پڑھے۔

(۳) اِس کے بعد یہ آیت ایک سو ایک مرتبہ پڑھے: رَبَّنَا ظَلَمْنَا اَنْفُسَنَا وَاِنْ لَّمْ تَغْفِرْ لَنَا وَتَرْحَمْنَا لَنَکُوْنَنَّ مِنَ الْخٰسِرِیْنَ (اے ہمارے رب! ہم نے گناہ کر کے اپنے آپ پر زیادتی کی اور اگر آپ ہمیں معاف نہ کریں گے اور ہم پر رحم نہ کریں گے تو ہم خسارہ پانے والوں میں سے ہو جائیں گے۔" (پارہ ۸ سورۃ الاعراف، آیت ۲۳)

یہ حضرت آدم اور حضرت حوّا علیہما السلامُ کی دُعا ہے، جس کی برکت سے اُن کی توبہ قبول ہوئی۔



Marfat.com

(۴) اس کے بعد ایک سو ایک مرتبہ یہ آیت کریمہ پڑھے: ''لَآ اِلٰہَ اِلَّآ اَنْتَ سُبْحَانَکَ اِنِّی کُنْتُ مِنَ الظَّالِمِیْنَ'' (اے میرے رب) آپ کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں ہے۔ آپ پاک ہیں، بیشک میں قصوروار ہوں) (پارہ ۱۷۔ سورۃ الانبیاء، آیت ۸۷)

اس استغفار کی برکت سے حضرت یونس علیہ السلام کو مچھلی کے پیٹ کی گھٹن سے رہائی نصیب ہوئی۔

ان اوراد کے بعد اپنی زبان میں خلوصِ دل سے اپنے گناہ پر ندامت کا اظہار کر کے اللہ تعالیٰ سے معافی مانگے اور آئندہ سے اُس سے بچ کر رہنے کا عزم بالجزم کرے۔

توبہ کی قبولیت: توبہ کا اصلی جوہر اِس میں ہے کہ گناہ کے ماضی پر ندامت ہو، حال میں معافی کی درخواست اور مستقبل کے لیے اُس گناہ سے بچ کر رہنے کا عزم کر لیا جائے۔ اگر یہ تینوں عناصر اِکٹھے ہو جائیں تو توبہ کی قبولیت میں کسی شک شبہ کی گنجائش نہیں رہتی۔

## توبہ کی فضیلت و قبولیت قرآن کی روشنی میں:

توبہ کی قبولیت کے بارے میں قرآنِ کریم میں بہت سی آیات ہیں۔ اُن میں سے صرف نو آیات یہاں درج کی جا رہی ہیں۔

(۱) ''یقیناً اللہ تعالیٰ محبت رکھتے ہیں توبہ کرنے والوں سے اور محبت رکھتے ہیں پاک صاف رہنے والوں سے۔'' (پارہ ۲ سورۃ البقرۃ، آیت ۲۲۲)

(۲) ''پھر جس شخص نے گناہ کرنے کے بعد توبہ کی اور اپنے آپ کو سنوارا (اور اعمال صالحہ کیے) تو بے شک اللہ تعالیٰ اُس پر توجہ فرمائیں گے۔ (یعنی اُس کی توبہ قبول کر لیں گے) بے شک اللہ تعالیٰ بڑی مغفرت والے اور بڑی رحمت والے ہیں۔'' (پارہ ۶، سورۃ المائدہ، آیت ۳۹)

(۳) ''تمہارے پروردگار نے اپنے آپ پر رحمت کرنا واجب کر رکھی ہے، تو جو کوئی تم میں سے اپنی نادانی اور جہالت کی وجہ سے کوئی برا کام کر بیٹھے اور پھر اُسے برے کام پر (نادم، شرمسار اور پشیمان ہو کر) توبہ کرے اور اپنے آپ کو سنوارے (یعنی ٹھیک اور درست کرے، اچھے کام کرے) تو بے شک (اللہ تعالیٰ کی یہ شان ہے کہ) وہ بڑی بخشش کرنے والے اور مہربان ہیں۔'' (پارہ ۷، سورہ المائدہ آیت ۵۴)



Marfat.com

(۴) ''اور جن لوگوں نے برے کام کیے (گناہ کے کام کیے) پھر وہ اُن کے بعد توبہ کر لیں اور ایمان لے آئیں تو تمہارا رب اِس توبہ کے بعد گناہ کا معاف کر دینے اور رحمت کر دینے والا ہے۔'' (پارہ ۹ سورۃ الاعراف، آیت ۱۵۳)

(۵) ''اور یہ کہ تم لوگ اپنے گناہ اپنے رب سے معاف کرواؤ۔ توبہ کرو؛ وہ تم کو وقتِ مقرر تک خوشگوار زندگی عطا کرے گا اور ہر زیادہ (اچھا) عمل کرنے والے کو زیادہ عطا کرے گا۔'' (پارہ ۱۱، سورۃ ہود، آیت ۳)

(۶) ''اور میں اُن لوگوں کے لیے بڑا ہی بخشنے والا ہوں جو توبہ کر لیں، ایمان لے آئیں اور نیک عمل کریں اور پھر راہِ (ہدایت) پر قائم رہیں'' (پارہ ۱۶، سورۃ طٰہٰ، آیت ۸۲)

(۷) ''اور وہی (اللہ) ہے جو اپنے بندوں کی توبہ قبول کرتا ہے، اُن کے تمام گناہ معاف کر دیتا ہے اور جو کچھ تم کرتے ہو اُس کا علم رکھتا ہے / اُس کو جانتا ہے۔'' (پارہ ۲۵، سورۃ الشوریٰ، آیت ۲۵)

(۸) ''اے ایمان والو! پوری عاجزی اور سچے عزم کے ساتھ اللہ سے توبہ کرو، اُمید ہے کہ تمہارا رب تمہارے گناہ معاف کر دیگا اور تم کو ایسی جنتوں میں داخل کرے گا جن میں نہریں جاری ہونگی۔ جس دن کہ اللہ اپنے نبی کو اور جو لوگ اُن کے ساتھ ایمان لائے، رسوا نہیں کریگا۔ اُن کا نُور، اُن کے آگے اور داہنے دوڑ رہا ہو گا اور وہ یوں دعا مانگ رہے ہونگے : اے ہمارے رب! ہمارے لیے اس نور کو مکمل فرما اور ہمیں بخشدے / ہماری مغفرت فرما، بے شک آپ ہر چیز پر قادر ہیں۔'' (پارہ ۲۸، سورۃ تحریم، آیت ۸)

(۹) ''اور نوح علیہ السلام نے اپنی قوم سے کہا: ''اے میری قوم! تم اپنے پروردگار سے اپنے گناہ بخشواؤ۔ بے شک وہ بڑا بخشنے والا ہے۔ کثرت سے تم پر بارش بھیجے گا، تمہارے مال اور اولاد میں برکت اور ترقی دیگا اور تمہارے لیے جنت میں ٹھکانہ عطا کرے گا، جس میں نہریں بہہ رہی ہونگی۔ تو تم کو کیا ہوا ہے کہ تم اپنے پروردگار کی عظمت کے (قائل) معتقد نہیں ہو۔'' (پارہ ۲۹ سورۃ نوح، آیت ۱۱ تا ۱۳)

(شہاب نامہ ص ۱۲۰۷ تا ۱۲۱۲)

## توبہ واستغفار سے دین و دنیا کی نعمتیں ملتی ہیں:-

قرآن و سنت اور تجربات و مشاہدات سے یہ بات حق الیقین کی حد تک درست ہے کہ جب کوئی انسان اپنے گناہوں پر نادم، پشیمان اور شرمسار ہو کر، اللہ سبحانہ وتعالیٰ کے حضور میں اپنی گردن کو جھکاتا ہے، گڑگڑا کر اور رو رو کر اللہ سے معافی مانگتا ہے؛ استغفار کرتا رہتا ہے اور اچھے اعمال کرنا شروع کرتا ہے یعنی اپنی اصلاح کرتا ہے؛ تو اللہ تعالیٰ نہ صرف اُس کی طرف متوجہ ہوتے ہیں، اُس کی توبہ قبول کرتے ہیں اور اُسے اپنے دامن رحمت کی آغوش میں لے لیتے ہیں، اُسے تمام دنیا کے مصائب و آلام اور شرارت و نقصان پہنچانے والوں کے شر سے بچا کر اپنی حفظ واَمان میں لے لیتے ہیں۔ اُس کی مغفرت کرکے اُسے بخش دیتے ہیں۔ آخرت میں اُس کے لیے جنت میں گھر عطا کرتے ہیں۔ بلکہ تجربہ و مشاہدہ ہے کہ اُسے دنیاوی نعمتیں بھی عطا فرماتے ہیں۔ اُس کی زندگی میں خوشگواریاں اور آسانیاں عطا فرماتے ہیں، اُسے مال واولاد عطا کرتے ہیں اور اُس میں برکت وترقی بھی عطا کرتے ہیں۔ توبہ استغفار سے اُخروی نعمتوں کے ساتھ ساتھ دنیوی نعمتیں بھی حاصل ہو جاتی ہیں۔ دنیا و آخرت، دونوں میں حسن اور بھلائی عطا ہو جاتی ہے۔

## توبہ کی اہمیت و قبولیت احادیث کی روشنی میں:-

قرآنِ کریم کی طرح احادیث میں بھی توبہ کی اہمیت، فضیلت اور قبولیت کی تعلیم دی گئی ہے۔ اِس سلسلے میں چھ احادیث پیش کی جاتی ہیں:

(۱) حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ: ”نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس شخص نے دن میں سو مرتبہ یہ کلمات پڑھے ”سُبْحَانَ اللّٰہِ وَبِحَمْدِہٖ (پاک ہے اللہ اور اُسی کے لیے حمد وتعریف ہے) تو اُس کے معاف کر دیے جاتے ہیں؛ گناہ چاہے سمندر کی جاگ کے برابر ہوں۔“

(اللولو والمرجان، ص- ۲۴۹، بحوالہ: صحیح بخاری فی کتاب الدعوات، باب:۶۵، فضل التسبیح)۔

(۲) حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ: ارشاد فرمایا رسول اکرم ﷺ نے کہ؛ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ؛ میں اپنے بندے کے لیے ویسا ہی ہوں جیسا وہ میرے

بارے میں گمان رکھتا ہے اور جس وقت میرا بندہ مجھے یاد کرتا ہے، تو میں اُس کے ساتھ ہوتا ہوں۔ اگر وہ مجھے دل میں یاد کرتا ہے تو میں بھی اُسے دل میں یاد کرتا ہوں اور اگر وہ مجھے کسی جماعت میں بیٹھ کر یاد کرتا ہے، تو؛ میں اُس کو اُس سے بہتر جماعت (فرشتوں کی) میں یاد کرتا ہوں اور بندہ اگر میری طرف ایک بالشت بڑھتا ہے تو میں اُس کی جانب ہاتھ بھر بڑھتا ہوں اور بندہ اگر چل کر آتا ہے تو میں اُس کی طرف دوڑ کر آتا ہوں۔" (اللولووالمرجان ۲۵۷ بحوالہ صحیح بخاری و مسلم)

(۳) حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ: اللہ تعالیٰ اپنے بندے کی توبہ سے، اُس شخص سے بھی زیادہ خوش ہوتا ہے جس کو اچانک اپنا گم شدہ اونٹ مل جائے۔ (اللولووالمرجان ص۔۲۵۸ : بحوالہ صحیح بخاری و مسلم)

(۴) حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: اللہ تعالیٰ نے جب اِس کائنات کو پیدا فرمایا تو اپنی اُس کتاب میں جو اُس کے پاس عرش کے اوپر ہے، یہ لکھ دیا کہ "یقیناً میری رحمت میرے غضب پر غالب ہے" (اللؤلووالمرجان۔ ص: ۲۵۸ ۔ بحوالہ: بخاری و مسلم)

(۵) حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ: "یقیناً جب بندے سے گناہ ہو جاتا ہے؛ یا شاید آپ ﷺ نے فرمایا تھا کہ: جب بندہ گناہ کر بیٹھتا ہے اور پھر کہتا ہے: اے میرے مولا میں نے گناہ کیا ہے (یا شاید آپ ﷺ نے فرمایا تھا کہ) اے میرے مولا مجھ سے گناہ سرزد ہو گیا ہے، تو مجھے معاف فرمادے۔ تو اللہ سبحانہ وتعالیٰ فرماتا ہے: کیا میرے بندے کو معلوم ہے کہ اُس کا کوئی رب ہے جو گناہ معاف بھی فرماتا ہے اور گناہ پر گرفت بھی کرتا ہے؟ اچھا اِسی بات پر میں نے اسے معاف کیا۔ پھر کچھ مدت، جتنی اللہ سبحانہ وتعالیٰ چاہتا ہے، وہ رُکا رہتا ہے اور بعد ازاں پھر اُس سے گناہ سرزد ہو جاتا ہے یا آپ ﷺ نے فرمایا کہ: گناہ کر بیٹھتا ہے۔ پھر کہتا ہے: اے میرے مولا! میں نے پھر گناہ کر لیا؛ یا مجھ سے پھر گناہ ہو گیا؛ تو مجھے معاف فرمادے۔ اللہ سبحانہ وتعالیٰ فرماتا ہے: یہ میرا بندہ یہ بات جانتا ہے کہ اُس کا ایک رب ہے، جو گناہ معاف فرماتا ہے اور اُس پر گرفت بھی فرماتا ہے؟ میں نے اِس



Marfat.com

کو معاف کیا۔ پھر وہ بندہ کچھ مدت جو اللہ سبحانہ و تعالیٰ کو منظور ہوتی ہے رُکا رہتا ہے اور اُس کے بعد پھر گناہ کر گزرتا ہے یا آپ ﷺ نے فرمایا کہ: اُس سے گناہ ہو جاتا ہے۔ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا! پھر وہ کہتا ہے: اے میرے رب! مجھ سے گناہ سرزد ہو گیا یا کہتا ہے میں نے ایک اور گناہ کر لیا تو مجھے بخش دے۔ تو اللہ سبحانہ و تعالیٰ فرماتا ہے: کیا میرا بندہ یہ بات جانتا ہے کہ اُس کا ایک رب ہے جو گناہ معاف فرماتا ہے اور گناہوں پر گرفت بھی کرتا ہے۔ میں نے اپنے بندے کو معاف کر دیا، میں نے اپنے بندے کو معاف کر دیا۔ میں نے اپنے بندے کو معاف کر دیا؛ وہ جو چاہے کرے۔" (اللو لووالمرجان۔ ص۔ ۲۵۹-۲۶۰ بخاری و مسلم)

(۶) حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک شخص نے کسی عورت کا بوسہ لے لیا، بعد ازاں وہ نبی کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور آپ ﷺ سے اپنے گناہ کا ذکر کیا، تو یہ آیت نازل ہوئی۔

اَقِمِ الصَّلٰوۃَ طَرَفَیِ النَّھارِ وَزُلَفًا مِن الیل، اِن الحسناتِ یُذْھِبْنَ السَّیِّاٰتِ

(سورۃ ہود آیت ۱۱۴)

"نماز قائم کرو دن کے دونوں سروں پر اور کچھ رات گذرنے پر؛ در حقیقت نیکیاں برائیوں کو دور کر دیتی ہیں۔" تو اُس شخص نے دریافت کیا: یارسول اللہ ﷺ! یہ حکم کیا صرف میرے لیے ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا "میرے تمام امتیوں کے لیے ہے۔"

(اللولووالمرجان۔ ص: ۲۶۱؛ بحوالہ: بخاری و مسلم)

***



Marfat.com

# ذکرِ الٰہی

سکندر علی چنا

اسسٹنٹ پروفیسر اسلامیات

## ۱۔ ذکر کا لغوی مفہوم:

اَلذِّکْرُ وَالتَّذْکَارُ: کسی چیز کو محفوظ کر لینا۔ یہ تقریباً حفظ کے ہم معنی ہیں۔ اَلذِّکْرُ: کسی چیز کا زبان پر جاری ہو جانا۔ اَلذِّکْرُ: کسی چیز کا درس لینا۔ اَلتَّذْکِرَۃُ: کسی چیز کو یاد کرنا۔ اَلذِّکْرٰی: یاد دہانی۔ یہ لفظ نَسی یا نَسیانُ کی ضد ہے، جس کا مطلب ہے کسی چیز کو بھول جانا۔ شہرت کو بھی ذکر کہتے ہیں۔ نیز کسی کے متعلق اچھی بات کہنے: شرف وعزت اور عبرت و موعظمت کو بھی ذکر کہتے ہیں۔ ذِکْرُ اُس کتاب کو بھی کہتے ہیں، جس میں دین کی تفصیلات اور اُمتوں کے عروج وزوال کے قوانین درج ہوں۔ دعا، نماز، تلاوت، قرآن، تسبیح اور شکر ادا کرنا احکامات الٰہی کے اطاعت کرنے، اللہ سے مانگنے اور اُس کی حمد وثنا بیان کرنے کو بھی ذکر کہتے ہیں۔ قرآنِ کریم کا بھی ایک نام اَلذِّکْرُ ہے۔ اَلذِکْرُ، اَلصُّمْتُ یعنی خاموشی کی ضد کو بھی کہتے ہیں۔ مُذٰکِرَۃُ: باہم گفتگو کرنا، سوچ بچار کرنا، کانفرنس کو بھی کہتے ہیں۔ مَذَکُور: پہلے بیان کردہ۔ عورت کا رشتہ کرنے کو ذِکْر اور نصیحت کو بھی ذِکْر کہتے ہیں۔ اَلذَّکَرُ: نر، قوی اور شجاع مرد یہ اُنثیٰ (ناری) کی ضد ہے۔ مُذکَّر: یہ مؤنث کی ضد ہے۔ نیز سخت مصیبت جس کا مقابلہ مرد ہی کر سکیں۔ ذَکَرٌ: بطور کنایہ مردانہ عضوِ تناسل پر بھی بولا جاتا ہے۔ مُذْکِرٌ: ایسی عورت جو نرینہ اولاد پیدا کرے۔ اَلمِذکَارُ: ایسی عورت جو ہمیشہ نرینہ اولاد پیدا کرے۔ نَاقَۃُ مُذَکَّرۃ: ایسی اونٹنی جو اپنے عظیم جُثہ کے اعتبار سے اونٹ کے مشابہ ہو۔ سَیفُ ذُوْ ذُکْرٍ وَمُذَکَّرٍ: آبدار، سخت اور تیز تلوار۔ ذُکُورُ البَقَلِ: وہ سبزیاں جو لمبی اور سخت بیل دار ہوں، بات نکالنا۔ زبان سے یاد کرنا۔

ذِکْرُ اللہ: اللہ کا ذکر کرنا، اُس کی حمد وثنا بیان کرنا۔

Marfat.com

## ۲۔ ذکر کا اصطلاحی مطلب:

شریعت کی اصطلاح میں تمام حقوق اللہ اور حقوق العباد کو، سنّت نبوی ﷺ کے تحت ادا کرنے کو کہتے ہیں۔ اِسی ضمن میں اذکارِ ماثورہ کو ادا کرنے یا زبان سے پڑھنے کو بھی ذکر کہتے ہیں۔ میرا مقصود بھی یہی ہے۔

## ۳۔ ذکر قرآن کی روشنی میں:

ویسے تو قرآنِ کریم میں بیسیوں آیات ذِکرُاللہ کے بارے میں مذکور ہیں، لیکن یہاں چند آیات بمع ترجمہ پیش ہیں۔ یٰاَیُّھَاالَّذِیْنَ آمَنُوااذْکُرُوااللہَ ذِکْرًا کَثِیْرًا وَّسَبِّحُوْہُ بُکْرَۃً وَّاَصِیْلًا ''اے ایمان والو! تم اللہ کو بہت زیادہ یاد کرو اور اُس کی تسبیح کرو صبح و شام۔ (سورۃ الاحزاب۔ آیات ۴۱-۴۲)

''فَاذْکُرُوْنِی اَذْکُرْکُمْ'' تم میرا ذکر کرو، میں تمہیں شرف و عزت عطا کروں گا'' (البقرۃ آیت ۱۵۲) وَمَنْ اَعْرَضَ عَنْ ذِکْرِیْ فَاِنَّ لَہٗ مَعِیْشَۃً ضَنْکًا وَّنَحْشُرُہٗ یَوْمَ الْقِیٰمَۃِ اَعْمٰی ''جو میرے ذکر سے منہ موڑے گا، تو اُس کی معیشت تنگ ہو جائے گی اور ہم اسے قیامت کے دن اندھا کر کے اٹھائیں گے۔'' (سورۃ طٰہٰ آیت ۱۲۴)

قَدْ اَفْلَحَ مَنْ تَزَکّٰی ۝ وَذَکَرَ اسْمَ رَبِّہٖ فَصَلّٰی ۝

''کامیاب ہوا، جس نے اپنے آپ کو پاک کیا اور اپنے خداوند کا نام یاد کیا اور نماز پڑھی۔'' (سورۃ الاعلیٰ آیت ۱۴-۱۵)

وَاذْکُرْ رَّبَّکَ فِیْ نَفْسِکَ تَضَرُّعًا وَّ خِیْفَۃً وَّدُوْنَ الْجَھْرِ مِنَ الْقَوْلِ بِالْغُدُوِّ وَالْاٰصَالِ وَلَا تَکُنْ مِّنَ الْغٰفِلِیْنَ ۝ ''اور اپنے رب کو صبح و شام یاد کرو، اپنے دل میں عاجزی اور خوف کے ساتھ اور پست آواز سے اور غافلوں میں سے نہ ہو۔'' (سورۃ الاعراف آیت ۲۰۵)

وَاذْکُرْ رَّبَّکَ اِذَا نَسِیْتَ ''اور جب تم بھول جایا کرو تو اپنے رب کو یاد کرو۔'' (سورۃ الکھف آیت ۲۴)

وَاذْکُرِ اسْمَ رَبِّکَ وَتَبَتَّلْ اِلَیْہِ تَبْتِیْلًا ۝ ''اور اپنے رب کا ذکر کرو اور اُس کی طرف گوشہ گیر ہو جا۔'' (سورۃ المزمل آیت ۸)

وَاذْکُرِ اسْمَ رَبِّکَ بُکْرَۃً وَّاَصِیْلًا ۝ وَمِنَ الَّیْلِ فَاسْجُدْ لَہٗ وَسَبِّحْہُ لَیْلًا طَوِیْلًا ۝



Marfat.com

"اور صبح و شام اپنے رب کے نام کو یاد رکھو اور رات میں بھی اُس کو سجدہ کرو اور اُس کی تسبیح کرو، رات کے طویل حصے میں۔" (سورۃ الدہر آیات ۲۵-۲۶)

فَاِذَا قَضَیْتُمُ الصَّلٰوۃَ فَاذْکُرُوا اللّٰہَ قِیٰمًا وَّقُعُوْدًا وَّعَلٰی جُنُوْبِکُمْ "پس جب تم نماز ادا کر و چکو تو اللہ کو یاد کرو کھڑے، بیٹھے اور لیٹے۔" (سورۃ النسآء۔ آیت ۱۰۳)

اَلَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَتَطْمَئِنُّ قُلُوْبُھُمْ بِذِکْرِ اللّٰہِ اَلَا بِذِکْرِ اللّٰہِ تَطْمَئِنُّ الْقُلُوْبُ "جو ایمان لاتے ہیں اور جن کے دل اللہ کے ذکر سے مطمئن ہوتے ہیں۔ سن لو کہ اللہ کے ذکر ہی سے دلوں کو طمانیت حاصل ہوتی ہے۔" (سورۃ الرعد۔ آیت ۲۸)

وَمَنْ یَّعْشُ عَنْ ذِکْرِ الرَّحْمٰنِ نُقَیِّضْ لَہٗ شَیْطٰنًا فَھُوَ لَہٗ قَرِیْنٌ ﴿۳۶﴾ "اور جو خدا کے ذکر سے منہ موڑ لیتا ہے، تو ہم اُس پر ایک شیطان مسلط کر دیتے ہیں، جو اُس کا ساتھی بن جاتا ہے۔" (سورۃ الزخرف آیت ۳۶)

یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تُلْھِکُمْ اَمْوَالُکُمْ وَلَآ اَوْلَادُکُمْ عَنْ ذِکْرِ اللّٰہِ "اے ایمان والو! اللہ کی یاد سے تمہیں غافل نہ کرنے پائیں، تمہارے مال اور اولاد۔"

(سورۃ المنافقون۔ آیت:۹)

وَمَنْ یُّعْرِضْ عَنْ ذِکْرِ رَبِّہٖ یَسْلُکْہُ عَذَابًا صَعَدًا ﴿۱۷﴾ "اور جو اپنے ربّ کے ذکر سے منہ موڑیں گے، تو وہ اُن کو چڑھتے عذاب میں داخل کرے گا۔" (سورۃ الجن، آیت ۱۷)

وَالذّٰکِرِیْنَ اللّٰہَ کَثِیْرًا وَّالذّٰکِرٰتِ اَعَدَّ اللّٰہُ لَھُمْ مَّغْفِرَۃً وَّاَجْرًا عَظِیْمًا ﴿۳۵﴾ "اور اللہ کو کثرت سے یاد کرنے والے مرد اور اللہ کو کثرت سے یاد کرنے والی عورتیں، ان کے لیے اللہ نے مغفرت اور اجرِ عظیم تیار کر رکھا ہے۔" (سورۃ الاحزاب، آیت ۳۵)

اَلَمْ یَاْنِ لِلَّذِیْنَ اٰمَنُوْا اَنْ تَخْشَعَ قُلُوْبُھُمْ لِذِکْرِ اللّٰہِ وَمَا نَزَلَ مِنَ الْحَقِّ "کیا ایمان والوں کے لیے وہ وقت نہیں آیا کہ اُن کے دل اللہ کے ذکر اور اُس حق (قرآن) کے آگے جھک جائیں جو نازل ہو چکا ہے۔" (الحدید آیت ۱۶)

## ۴۔ ذکر احادیث کی روشنی میں:

عَنْ اَبِیْ ھُرَیْرَۃَ رضی اللہ عنہ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ یَقُوْلُ اللّٰہُ تعالیٰ انا عند ظَنِّ عَبْدِیْ بِیْ وَاَنَا مَعَہ اِذَا ذکرنی فَاِنْ ذکرنی فی نفسہ ذکرتہ فی نفسی وان ذکرنی فی



Marfat.com

ملاذکرتہ فی مَلا خَیرِ منھم وَان تَقرّبَ اِلیّ شبرًا تقربتُ الیہ ذراعا وَانت قرب اِلیّہ شبرا تقربتُ الی ذرائا تقربتُ الیہ باعا وان اتانی یمشی اتیتہ ھَروَلَۃ۔ (رواہ احمد والبخاری، والمسلم والترمذی، والنسائی وابن ماجہ) ابوہریرہؓ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

"اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں، میں بندے کے ساتھ ویسا ہی معاملہ کرتا ہوں، جیسا کہ وہ میرے بارے میں گمان رکھتا ہے اور بندہ جب میرا ذکر کرتا ہے، اُس وقت میں اُس کے ساتھ ہوتا ہوں، اگر وہ دل میں مجھے یاد کرتا ہے، تو میں بھی اُسے دل میں یاد کرتا ہوں۔ اگر وہ مجھے کسی جماعت میں بیٹھ کر یاد کرتا ہے، میں اُس سے بہتر جماعت (فرشتوں) میں اُس کا ذکر کرتا ہوں۔ اور بندہ اگر میری طرف ایک بالشت بڑھتا ہے تو میں اُس کی طرف ایک ہاتھ بڑھتا ہوں اور اگر وہ میری طرف ایک ہاتھ بڑھتا ہے تو میں اُس کی طرف دو ہاتھ بڑھتا ہوں اور اگر وہ میری طرف چل کر آتا ہے تو میں اُس کی طرف دوڑ کر آتا ہوں۔"

"عَنْ اَبِیْ مُوسیٰؓ قَالَ قَالَ النَّبِی صلی اللہ علیہ وَسَلَّمَ مَثَلُ الّذی یذکر رَبَّہ وَالَّذی لَایذکرُ مثلُ الحیّ وَالمیّتِ" (بخاری و مسلم) ابو موسیٰؓ سے روایت ہے کہ رسول ﷺ نے فرمایا: "جو شخص اپنے پروردگار کا ذکر کرتا ہے اور جو نہیں کرتا، اِن دونوں کی مثال زندہ اور مردہ کی سی ہے۔"

زندگانی نتواں گفت حیاتے کہ مراست
زندہ آنست کہ با دوست وصال دارد

"زندگی، صرف جینے کا نام نہیں، بلکہ زندہ وہ ہے، جسے دوست کا وصال حاصل ہے۔"

عن معاذ بن جَبَلِؓ قال رسول اللہ ﷺ ماعمل آدمی عملاً انجی لہ من عَذابِ القَبرِمن ذِکراللہ (اخرجہ احمد وفی روایت انجی لہ من عذاب اللہ)

معاذ بن جبلؓ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: اللہ کے ذکر سے بڑھ کر کسی آدمی کا کوئی عمل عذاب قبر سے (ایک روایت میں اللہ کے عذاب سے) زیادہ نجات دینے والا نہیں۔"

"عن ابی سعیدن الخدریؓ اَنَّ رَسول اللہ ﷺ قال اکثرُوا ذِکرَاللہ حَتی یَقولُوامَجنُون" (رواہ احمد) ابوسعید خدریؓ سے روایت ہے کہ حضورِ اقدس ﷺ کا رشاد ہے: اللہ کا ذکر اتنی کثرت سے کیا کرو کہ لوگ تمہیں مجنوں کہنے لگیں۔"

عَنْ عبد الله بنِ عُمَر رضی اللہ عنہ عَنِ النَّبِی صَلی الله علیه وَسلَّم اَنَّہٗ کَانَ یَقُوْلُ لِکُلِّ شیءٍ صِقالۃ وَصِقالَۃُ اَلْقُلُوبِ ذِکرُالله۔ (بیھقی از مشکواۃ)

عبد اللہ بن عمرؓ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ فرماتے تھے کہ: ہر چیز کا صیقل (صفائی کرنے والی چیز) ہے اور دلوں کا صیقل (دلوں کا میل صاف کرنے والی چیز) ذکرِ الٰہی ہے۔"

"عَنِ ابنِ عَباسٍ رضی اللہ عنہ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ ﷺ جاثِم عَلیٰ ابنِ آدم فاذا ذَکَرَالله تعالیٰ خَنَسَ وَاذا غفلَ وَسْوسَ" (بخاری)

ابنِ عباسؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ: شیطان، آدمی کے دل پر جما بیٹھا ہے، جب آدمی اللہ تعالیٰ کا ذکر کرتا ہے، تو وہ پیچھے ہٹ جاتا ہے اور جب غافل ہوتا ہے تو وسوسے ڈالتا ہے۔"

عن ابی ھریرۃؓ وابی سَعیدؓ انّھما شھدا علیٰ رسول الله ﷺ انه قال لایقعدُ قوم یّذکرُوْن الله اِلاحَفتھُمُ الملٰئکة وغشیتھم الرحمة وَنزلتْ عَلیھمُ السَّکینۃُ وَذکرھُمُ الله فِیمَن عِندہٗ (مسلم، ترمذی احمدی)

ابوہریرہؓ اور ابوسعیدؓ سے روایت ہے کہ حضورِ اقدس ﷺ نے فرمایا کہ: کوئی جماعت ذکرِ الٰہی میں مشغول نہیں ہوتی، مگر اُس کو فرشتے گھیر لیتے ہیں اور رحمت ڈھانپ لیتی ہے۔ سکینہ نازل ہوتی ہے اور اللہ تعالیٰ اپنی جماعتِ ملائکۃ میں ان کا ذکر کرتا ہے۔"

"عن ابی ھریرۃ رضی اللہ عنہ فی حَدیثٍ قَالَ صلی الله علیه وسلم سبق المفردون قال وما المفردون یا رسُول ﷺ الله قَال الذّاکِرُوْنَ الله کثِیراً وَّ الذّاکِراتُ (مسلم)

ابوہریرہؓ سے ایک حدیث میں رسول اللہ ﷺ سے روایت ہے کہ: "مفردون آگے نکل گئے۔ پوچھا گیا کہ مُفردُون کون ہیں یارسول اللہ؟ کہا" وہ مرد اور عورتیں جو کثرت سے اللہ کا ذکر کرتے ہیں۔"

"سُئِلَ رَسُوْلُ الله ﷺ اَیّ الاعمال افضل فقال اَن تَمُوتَ وَلِسانُکَ رطب بذکر الله عزوجلّ (طبرانی و بیھقی بروایت معاذ رض)

رسول اللہ ﷺ سے کسی نے پوچھا کہ "اعمال میں کون سا عمل بہتر ہے؟" آپ ﷺ نے فرمایا: "جب تجھے موت آئے تو تیری زبان پر اللہ عزوجل کا ذکر ہو۔"



Marfat.com

## (۵) اذکارِ ماثورہ:

قرآنِ کریم اور احادیث کی روشنی میں، ذکرِ الٰہی کی فضیلت معلوم ہونے کے بعد سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ ذکرِ الٰہی میں کیا پڑھا جائے؟ کون سا ذکر کیا جائے، کیونکہ اذکار پر اتنی کتب موجود ہیں کہ اُن کو دیکھ کر آدمی کا سر چکرا جاتا ہے کہ کیا پڑھا جائے اور کیا نہ پڑھا جائے! اس میں پریشان ہونے کی بات نہیں۔ اس سلسلے میں ایک اصول یاد کرلیں کہ ہم پر وہی اعمال فرض ہیں، جو قرآن و سنت اور صحابہؓ کے اجماع سے ثابت ہوں۔ دوسرا یہ کہ مسنون و ماثور اذکار کے علاوہ اگر کوئی ذکر ایسا ہے، جو آپ کے مرشد نے آپ کو بتادیا ہے تو وہ بھی کرنے میں کوئی حرج نہیں، کیونکہ فضائل میں یہ چیزیں مقبول ہیں۔ لیکن بہتر اور افضل وہی اذکار ہیں اور اوراد ہیں جو ہمارے لیے حضور ﷺ نے تجویز فرمائے ہیں۔ کیونکہ ان میں رحمت و برکت اور خیر ہے۔ اس سلسلے میں جو احادیث میں اذکار الٰہی کے صیغے یا الفاظ استعمال ہوئے اور جو سنت سے بھی ثابت ہوں، جن پر حضور ﷺ نے خود عمل فرمایا، صحابہؓ کو سکھائے اور اب تک اُمّتِ مسلمہ ان پر عمل پیرا ہے وہ میں درج کرتا ہوں۔ ان کے پڑھنے کے لیے کسی سے اجازت لینے کی، ان اذکار کی زکوٰۃ نکالنے کی ضرورت نہیں، ان اذکار کے پڑھنے کے لیے کوئی خاص دن مقرر نہیں، کوئی خاص خوشبو جلانے، کوئی چلہ کاٹنے، کوئی خاص جسمانی ہیئت بنانے کی ضرورت نہیں، ان اذکار کو پڑھنے سے پہلے یا پڑھنے کے بعد کوئی شیرینی، کوئی خاص صدقہ (چاہے وہ رقم یا کسی جانور ذبح کرنے کی صورت میں ہو) پکا کر بانٹنے۔ نہ کسی خاص جگہ یا خاص وقتمقرر کرنے کی ضرورت ہے۔ اذکار ماثورہ و مسنونہ، تمام عام وخاص، مرد، عورت، سب مسلمانوں کیلیے ہیں، ان کے لیے کسی خاص اہتمام کی ضرورت نہیں سوائے جسمانی تزکیہ وطہارت کے۔

(۱) اسماء حسنیٰ: عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَؓ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ ﷺ اَنَّ لِلّٰهِ تِسْعَةً وَّتِسْعِیْنَ اِسْمًا مِائَةً اِلَّا وَاحِدًا مَنْ اَحْصَاهَا دَخَلَ الْجَنَّةَ۔ هُوَاللّٰهُ الَّذِیْ لَاۤ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ الرَّحْمٰنُ الرَّحِیْمُ الْمَلِكُ الْقُدُّوْسُ السَّلَامُ الْمُؤْمِنُ الْمُهَیْمِنُ الْعَزِیْزُ الْجَبَّارُ الْمُتَكَبِّرُ الْخَالِقُ الْبَارِیءُ الْمُصَوِّرُ الْغَفَّارُ الْقَهَّارُ الْوَهَّابُ الرَّزَّاقُ الْفَتَّاحُ الْعَلِیْمُ الْقَابِضُ الْبَاسِطُ الْخَافِضُ الرَّافِعُ الْمُعِزُّ الْمُذِلُّ السَّمِیْعُ



Marfat.com

الْبَصِيرُ الْحَكَمُ الْعَدلُ اللَطِيفُ الْخَبِيرُ الْحَلِيمُ الْعَظِيمُ الْغَفُوْرُ الشَّكُورُ الْعَلِيُّ الْكَبِيْرُ الحَفِيظُ الْمُقِيتُ الحَسِيْبُ الْجَلِيْلُ اَلْكَرِيْمُ الرَّقِيْبُ الْمُجِيبُ الْوَاسِعُ الْحَكِيمُ الْوَدُودُ الْمَجِيْدُ الْبَاعِثُ الشَّهِيْدُ الْحَقُّ الْوَكِيلُ الْقَوِيُّ الْمَتِينُ الْوَلِيُّ الْحَمِيْدُ الْمُحصِيُ الْمُبْدِئُ الْمُعِيْدُ الْمُحيُ الْمُمِيْتُ الْحَيُّ الْقَيُّومُ الْوَاجِدُ الْمَاجِدُ الْوَاحِدُ الْاَحْدُ الصَّمَدُ الْقَادِرُ الْمُقْتَدِرُ الْمُقَدِّمُ الْمُؤخِّرُ الْاَوَّلُ الظَّاهِرُ الْبَاطِنُ الْوَالِيُّ الْمُتَعَالِي الْبَرُّ التَّوّابُ الْمُنْتَقِمُ العَفُوُّ الرَّؤُفُ مَالِكُ الْمَلِكُ ذُوْالْجَلالِ وَالْاِكْرَامُ الْمُقْسِطُ الْجَامِعُ الْغَنِيُّ الْمُغْنِيُ الْمَانِعُ الضَّارُ النَّافِعُ النُّورُ الْهَادِيُ الْبَدِيْعُ الْبَاقِيُ الْوَارِثُ الرَّشِيدُ الصَّبُوْرُ۔ (رواہ الترمذی البیھقی فی الدعوات الکبیر)

ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: "اللہ تعالیٰ کے ننانوے نام ہیں یعنی ایک کم سو، جو شخص ان ناموں کو یاد کرے گا، وہ جنت میں داخل ہو گا۔" اور پھر آگے اسمائے حسنیٰ بیان کیے گئے ہیں۔۔۔۔"

(۲) لاالٰہ الااللہ وحدہ لاشریک لہ لَہُ الملک ولہ الحمدُ وَھُوعلی کُلِّ شیءٍ قَدِیرُ (بخاری و مسلم)

ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا"جو شخص ہر روز سو مرتبہ یہ کلمات پڑھتا ہے، اسے دس غلام آزاد کرنے کے برابر ثواب ملے گا، اُس کے نامہء اعمال میں سو نیکیاں لکھی جائیں گی اور ان میں سے سو گناہ مٹا دیے جائیں گے۔

یہ کلمات اُس دن صبح سے شام تک کے لیے، شیطان سے اُس کی حفاظت کے ضامن ہونگے اور اُس دن، اس سے بہتر عمل کسی اور کا نہ ہو گا، سوائے اس کے، جس نے یہ کلمات سو مرتبہ سے بھی زیادہ پڑھے ہونگے۔ (بخاری مسلم)

(۳) سُبحان اللہ وبحمدہ: ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: "جس شخص نے دن میں سو مرتبہ یہ کلمات پڑھے، اُس کے تمام گناہ معاف کر دیئے جائیں گے، خواہ سمندر کی جھاگ کی مانند بہت زیادہ ہی کیوں نہ ہوں۔" (بخاری و مسلم)

(۴) لاالہ الااللہ العظیم الحلیم۔ لا الہ الا اللہ ربُّ العرش العظیمَ لَاالٰہ اِلاَّ اللہ رب السّمٰوٰاتِ وَ ربُّ الارض و ربُّ العرش الکریم۔ عبد اللہ بن عباسؓ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ پریشانی اور بے چینی کے وقت یہ کلمات پڑھا کرتے تے (بخاری و مسلم)



Marfat.com

(۵) سُبحان اللہ وبحمدہ سُبحان اللہ العظیم: عَنْ اَبِیْ ھُریرۃ قال قال رسول اللہ ﷺ کلمتان خفیفتان علی اللسان ثقیلتانِ فی المیزانِ حبیتان الی الرحمان سبُحان اللہ وبحمدہ سُبحان اللہ العظیم (بخاری و مسلم)

"ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ:"دو کلمات زبان پر ہلکے پھلکے، میزانِ اعمال میں بڑے بھاری اور خداوند مہربان کو بہت پیارے ہیں۔ سُبْحَانَ اللّٰہِ وَبِحَمْدِہٖ سُبْحَانَ اللّٰہِ الْعَظِیْمِ۔

(۶) اللہ اکبر ۳۴ بار۔ سُبحان اللہ ۳۳ بار، الحمد للہ ۳۳ بار۔

حضرت علیؓ بیان کرتے ہیں کہ حضرت فاطمۃ الزہرا رضی اللہ تعالیٰ عنہا مشقت کی وجہ سے بیمار ہو گئیں اور جب نبی کریم ﷺ کے پاس کچھ قیدی آئے تو حضرت فاطمۃ الزہرا رضی اللہ تعالیٰ عنہا، آپ ﷺ کے پاس تشریف لے گئیں، لیکن آپ ﷺ کو موجود نہ پایا۔ اُمّ المؤمنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا موجود تھیں، لہٰذا حضرت فاطمۃ الزہرا رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے سارا ماجرا، اُمّ المؤمنین سے بیان کر دیا۔ بعد ازاں جب نبی کریم ﷺ تشریف لائے، تو انہوں نے، آپ ﷺ سے حضرت فاطمۃ الزہرا رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے آنے کا ذکر کیا۔ پھر نبی کریم ﷺ ہمارے گھر ایسے وقت تشریف لائے، جب ہم اپنے بستروں پر لیٹ چکے تھے۔ آپ ﷺ کو دیکھ کر، میں نے اٹھنے کا ارادہ کیا، تو آپ ﷺ نے فرمایا لیٹے رہو۔ پھر آپ ﷺ ہماری درمیان اِس طرح بیٹھ گئے کہ میں نے آپ ﷺ کے مبارک قدموں کی ٹھنڈک اپنے سینے پر محسوس کی۔ آپ ﷺ نے فرمایا: "کیا تم کو اس سے بہتر چیز نہ سکھادوں، جو تم نے مجھ سے مانگی ہے؟" جب تم سونے کے لیے لیٹے تو: چونتیس مرتبہ اللہ اکبر، تینتیس مرتبہ سبحان اللہ اور تینتس مرتبہ الحمد للہ کہہ دیا کرو۔ یہ تسبیح تمہارے لیے خادم سے بہتر ہے۔ (جو تم نے مانگا تھا) (بخاری و مسلم)

(۷) سُبْحَان اللہِ وَالْحَمد لِلہ وَلَآ اِلٰہ اِلَّااللہُ وَاللہُ اَکبرْ: سَمرہ رضی اللہ عنہ بن جُندُبْ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ "اَفضَلُ الْکَلَامِ اَربَعٌ سُبحان اللہِ وَالحَمدُ لِلہِ وَلَآ اِلٰہ اِلَّا اللہُ وَاللہ اکبرْ۔" چار کلمات سب سے بہتر ہیں۔ (مسلم)

(۸) سُبْحَانَ اللہِ عَدَدَ خَلْقِہٖ، سُبْحَان اللہِ رِضٰی نَفْسِہٖ

سُبْحَانَ اللہِ زِنَۃَ عَرْشِہٖ، سُبْحَانَ اللہِ مِدَادَ کَلِمَاتِہٖ

اُمّ المومنین جویریہؓ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے فجر کی نماز کے بعد، یہ کلمات تین مرتبہ پڑھے جائیں۔(مسلم)

(۹) لَااِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ: حضرت جابرؓ سے روایت ہے کہ رسولِ کریم ﷺ نے فرمایا: ''سب سے افضل ذکر لَااِلٰہَ اِلَّااللّٰہُ ہے۔(جامع ترمذی سنن ابن ماجہ)

(۱۰) لَاحَوْلَ وَلَا قُوَّۃَ اِلَّا بِاللّٰہِ: حضرت ابویرہؓ سے روایت ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: لَاحَوْلَ وَلَاقُوَّۃَ اِلَّا بِاللّٰہِ: کثرت سے پڑھا کرو، کیونکہ یہ جنت کے خزینوں میں سے ایک ہے۔

(۱۱) اِسْمِ اَعْظَم: اَسماءؓ بنت یَزِید سے روایت ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: اِسمِ اَعظم اُن دو آیتوں میں ایک ہے: ''وَاِلٰھُکُمْ اِلٰہٌ وّاحِدٌ لَااِلٰہَ اِلَّاھُوَ الرَّحْمٰنُ الرَّحِیْمُ'' اور دوسری آل عمران کی ابتدائی آیت: ''الٓمّٓ اَللّٰہُ لَااِلٰہَ اِلَّا ھُوَ الْحَیُّ الْقَیُّوْمُ''(جامع ترمذی سنن، ابی داوٗد، سنن ابن ماجہ، سنن دارمی)

## (۶) کثرت سے ذکر کرنے سے کیا مراد ہے؟

اذکارِ ماثورہ یا مسنونہ میں سے کچھ ایسے ہیں، جن کے ساتھ اُن کی تعداد مقرر و متعین کی گئی ہے کہ اتنی مرتبہ پڑھا کرو، لیکن بہت سے اذکار کے ساتھ تعداد کا ذکر نہیں یا بعض کے ساتھ لکھا ہوا ہے کہ کثرت سے یعنی زیادہ سے زیادہ پڑھا کرو۔ کثرت کسے کہتے ہیں؟ کثرت کا اطلاق کم سے کم تین سو مرتبہ یا اُس سے زیادہ پر ہوتا ہے۔ اگر کوئی نہ کر سکتا ہو تو کم سے کم ۱۰ مرتبہ، ۳۳ مرتبہ، ۷۰ مرتبہ یا ایک سو مرتبہ ضرور پڑھے۔ ہر انسان اپنی آسانی اور سہولت کے تحت جو تعداد چاہے مقرر کر سکتا ہے، وہ کثرت میں شمار ہو گی۔ آج کل کی مصروف زندگی میں اِس کی خاص اہمیت ہے۔

گر سبّحہ صد دانہ شماری خوب است
دِر جامِ مَے از کف نہ گذاری خوب است
گفتی چہ کنم، چہ تحفہ آرم بر دوست
بے درد میا، ہر چہ آری خوب است

(ابوسعید ابوالخیر نقشبندی متوفی ۴۲۵ھ)

"اگر ایک سو دانے کی تسبیح پڑھتے ہو، اچھا کرتے ہو، جامِ مے میں اپنا کف آلودہ نہیں کرتے، اچھا کرتے ہو۔ پوچھتے ہو کہ کیا کروں؟ دوست کے لیے کیا تحفہ لے کر جاؤں؟ جواب یہ ہے کہ بغیر درد کے مت آؤ، درد کے ساتھ جو بھی تحفہ لاؤ گے اچھا ہے۔"

لہٰذا کثرت سے ذکر کرنے کے الفاظ سے بھی پریشان نہ ہونا چاہیے، بلکہ خلوص اور یکسوئی، مکمل ارتکاز اور توجہ کے ساتھ، جتنا بھی ذکر کیا جائے، وہ اپنے اثرات ضرور ظاہر کرے گا۔

## (۷) ذکر کی اقسام:

اکثر صوفیا کے تذکروں میں، ذکر کی اقسام بیان ہوئی ہیں۔ ان کی کوئی دلیل، قرآن وسنت سے اِس طرح نہیں، لیکن صوفیا نے ذکر کے اعتبار سے، اِن کو یہ نام دیے ہیں، جو اقسام ذکر کہلاتی ہیں۔ وہ تین ہیں:

(الف) ذِکرِ لِسَانِی، ذِکرِ بِالْجَھْرِیَا ذِکرِ جَلِیْ:

اس سے مراد، کلماتِ ذکر کو بلند آواز سے پڑھنا یا ادا کرنا، کم از کم اتنی بلند آواز کہ اپنے کانوں سے خود سن سکے۔

(ب) ذِکرِ قَلبِی، ذکرِ بلاخفَا: یعنی بغیر زبان ہلائے، دل کے اندر بالکل خاموشی کے ساتھ، اللہ کو یاد کرنا۔

جیسے کسی نقشبندی بزرگ کا شعر ہے:

چشم بند وگوش بند ولب بِبَنْد
گر نہ بینی سِرّ حق بر من بِخَند

"آنکھ، کان اور ہونٹ بند کر کے ذکر کیا جائے، پھر اگر تو خدا کے بھید نہ دیکھے تو مجھ پر ہنس۔"

(ج) ذِکرِ بَالجُوَارِح : یعنی اعضا کے ساتھ ذکر کرنا۔ جسم یا اعضا کا اطاعتِ الٰہی میں مصروف رہنا۔ حج کے سفر کی جسمانی صعوبتوں کو بھی ذکر بالجوارح کہا جاتا ہے۔

(د) ذِکرِ نَفِی وَ اَثبَاتِ: لَآاِلٰہَ اِلاَّ اللّٰہ کے کلمات کا ایک خاص انداز سے ذکر کرنا۔ صوفیا کی کتابوں میں مختلف اذکار اور اوراد ایک جسمانی صورت اختیار کر کے ذکر کرنا۔ اس قسم کے



Marfat.com

طریقے شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ نے اپنی کتاب "قولُ الجمیلِ" میں بڑے خوبصورت انداز سے بیان کیے ہیں۔ تصوف کے چاروں سلاسل: چشتیہ، قادریہ، سہروردیہ اور نقشبدیہ کے ذکر نفی واثبات کے طریقے بڑی تفصیل کے ساتھ درج ہیں۔

اِسی طرح حاجی امداد اللہ مہاجر مکیؒ نے اپنی کتاب "ضیاء القلوب" میں بھی ان کا تفصیل سے ذکر فرمایا ہے۔

***

# والدین اور اولاد کے حقوق
## (قرآن وسنت کی روشنی میں)

حافظ عبدالوہاب منگریو
لیکچرر اسلامیات

انسان کی معاشرتی زندگی میں، اسے سب سے زیادہ جن ہستیوں سے مدد حاصل ہوتی ہے، وہ اس کے والدین ہیں، جو صرف اولاد کو وجود میں لانے کا سبب ہی نہیں، بلکہ زندگی کے ہر شعبے تک رہنمائی بھی کرتے ہیں اور اپنی ضروریات پر، ان کے ضروریات کو ترجیح دیتے ہیں۔ اس لیے قرآن وحدیث میں ان کے حقوق ادا کرنے کی سخت تاکید کی گئی ہے۔ چنانچہ ایک حدیث میں ہے کہ، ایک شخص نے آپ ﷺ سے سوال کیا: "یارسول اللہ! والدین، کا اولاد پر کیا حق ہے"؟ آپ ﷺ نے فرمایا "وما جنتك ونارك" وہ تمہاری جنت اور جہنم ہیں۔" یعنی ان کی رضا اور خوشی سے جنت، اور ان ناراضگی سے جہنم مل سکتی ہے۔

لہٰذا ہم آپ کو والدین کے حقوق کے متعلق مفید باتیں بتائیں گے؛ جو کہ درج ذیل ہیں۔

۱۔ شکر گذاری: والدین کا شکر گذار رہنا چاہیے، کیونکہ انھی کی وجہ سے سب کچھ حاصل ہوا ہے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے، اس لیے اپنے شکر گذار ہونے کے ساتھ ساتھ والدین کی شکر گذاری کی بھی تاکید فرمائی۔ ان اشکرلی ولوالدیک ترجمہ: ہم نے وصیت کی کہ میرا شکر کرو اور اپنے ماں باپ کے شکر گذار رہو۔

۲۔ حسن سلوک: وبالوالدین احساناً۔ ترجمہ: اور والدین کے ساتھ نیک سلوک کرو۔ (بقرہ) حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے روایت ہے کہ: میں نے آپ ﷺ سے پوچھا کون سا عمل اللہ کو سب سے زیادہ محبوب ہے۔" آپ ﷺ نے فرمایا: "وہ نماز جو وقت پر پڑھی جائے" میں نے پھر پوچھا: "اس کے بعد کونسا عمل اللہ تعالیٰ کو سب

Marfat.com

سے زیادہ محبوب ہے فرمایا: "وبالوالدین احسانا۔ ترجمہ "ماں باپ کے ساتھ نیک سلوک۔" میں نے پوچھا؛ اس کے بعد فرمایا: "اللہ کی راہ میں جہاد کرنا۔"

(بخاری و مسلم)

۳۔ خوشنودی و رضامندی: والدین کو ہمیشہ خوش و راضی رکھنا چاہیے۔ بڑھاپے میں ان کا خصوصی خیال رکھا جائے۔ نیز گفتگو میں انتہائی احتیاط برتنی چاہیے۔ چنانچہ قرآن میں اس کی سخت تاکید کی گئی ہے۔" اما یبلغن عندك الكبر احدهما او كلاهما فلا تقل لهما اف ولا تنهرهما وقل لهما قولاً کریما (بنی اسرائیل)۔

ترجمہ: "اگر ان میں ایک یا دونوں، تمہارے سامنے بڑھاپے کی عمر کو پہنچ جائیں، تو تم ان کو اُف تک بھی نہ کہو اور نہ انہیں جھڑک کر جواب دو اور ان سے ادب احترام سے بات کرو۔" آپ ﷺ نے فرمایا: "رضا اللہ فی رضا الوالد وسخط اللہ فی سخط الوالد۔ ترجمہ: اللہ کی رضا، والد کی رضا میں، اللہ کی ناراضگی، والد کی ناراضگی میں ہے۔

۴۔ ادب و احترام: واخفض لهما جناح الذل من الرحمة (بنی اسرائیل) "اور عاجزی اور نرمی سے، ان کے سامنے جھکے رہو۔"

حضرت ابوہریرہؓ نے، ایک دفعہ دو آدمیوں کو دیکھا۔ ایک سے پوچھا: "یہ دوسرے تمہارے کون ہیں؟" اس نے کہا "یہ میرے والدین ہیں۔" آپ ﷺ نے فرمایا "دیکھو؛ نہ ان کا نام لینا، نہ کبھی ان سے آگے چلنا اور نہ کبھی ان سے پہلے بیٹھنا۔"

۵۔ محبت: آپ ﷺ نے فرمایا: نیک اولاد جب بھی ماں باپ پر محبت بھری ایک نظر ڈالتی ہے، اس کے بدلے، خدا اسے ایک حج مقبول کا ثواب بخشتا ہے۔" لوگوں نے پوچھا: "اے خدا کے رسول ﷺ! اگر کوئی ایک دن میں سو بار، اس طرح رحمت و محبت کی نظر ڈالے۔" آپ ﷺ نے فرمایا "جی ہاں، اگر کوئی سو بار ایسا کرے تب بھی، خدا بہت بڑا اور بالکل پاک ہے۔ (مسلم)

۶۔ خدمت: نبی کریم ﷺ نے فرمایا: "جو آدمی یہ چاہتا ہو کہ، اس کی عمر دراز کی جائے اور اس کی روزی میں کشادگی ہو، اسے چاہیے کہ اپنے ماں باپ کے ساتھ بھلائی کرے اور صلہ رحمی سے پیش آئے۔" دوسری حدیث میں فرمایا: "وہ آدمی ذلیل ہو، پھر ذلیل

ہو، پھر ذلیل ہو۔"لوگوں نے پوچھا :"اے خدا کے رسول ﷺ! کون آدمی؟" آپ ﷺ نے فرمایا:"وہ آدمی جس نے اپنے ماں باپ کو بڑھاپے کی حالت میں پایا۔ دونوں کو پایا، یا کسی ایک کو۔ اور پھر (ان کی خدمت کر کے) جنت میں داخل نہ ہوا۔" (مسلم) ایک موقعہ پر آپ ﷺ نے ایک شخص کو جہاد پر جانے سے روک کر والدین کی خدمت کی تاکید کی۔

۷۔ اطاعت: آپ ﷺ نے فرمایا:"ان اللہ حرم علیکم حسقوق الامھات۔ ترجمہ: بے شک اللہ نے تم پر ماؤں کی نافرمانی کو حرام کر دیا ہے۔"ایک شخص یمن سے آپ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور جہاد میں شرکت کی اجازت مانگی۔ آپ ﷺ نے پوچھا:"یمن میں تمہارا کوئی ہے؟" اس نے کہا"جی ہاں میرے ماں باپ ہیں۔" آپ ﷺ نے پوچھا:"انہوں نے تمہیں اجازت دی ہے؟" "اس نے کہا نہیں۔" آپ ﷺ نے فرمایا"اچھا تو تم واپس جاؤ اور ماں باپ سے اجازت لو، اگر وہ اجازت دیں، تب تو جہاد میں شرکت کرو، ورنہ ان کی خدمت میں رہ کر، ان کے ساتھ اچھا سلوک کرتے رہو۔" جائز کاموں میں والدین کی اطاعت کرنا ضروری ہے۔

۸۔ وصیت کی تکمیل: والدین کی وفات کے بعد ان کی وصیت اور عہد و پیمان کو پورا کرنا چاہیے۔ حضرت عبد اللہ بن عباسؓ کا بیان ہے کہ، حضرت سعد بن عبادہؓ نے نبی ﷺ سے عرض کیا"یا رسول اللہ ﷺ! میری والدہ نے نذر مانی تھی، لیکن وہ نذر پوری کرنے سے پہلے ہی وفات پا گئیں۔ کیا میں ان کی طرف سے یہ نذر پوری کر سکتا ہوں؟۔"نبی ﷺ نے ارشاد فرمایا:"کیوں نہیں، تم ضرور ان کی طرف سے نذر پوری کر دو۔"

۹۔ مالی امداد: والدین کو اپنے مال کا مالک سمجھنا چاہیے اور انہیں ضرورت ہو یا نہ ہو، ہاتھ نہیں روکنا چاہیے۔ چنانچہ قرآن مجید میں ہے:"ما انفقتم من خیر فللوالدین (بقرہ) ترجمہ: جو مال بھی تم خرچ کرو، پس اس کے اوّلین حقدار والدین ہیں۔" حدیث میں ہے کہ، ایک مرتبہ ایک آدمی آپ ﷺ کے پاس آیا اور اپنے باپ کی شکایت کرنے لگا کہ "وہ جب چاہتا ہے میرا مال لے لیتا ہے۔" رسول اللہ ﷺ نے اس آدمی کے باپ کو بلوایا، لاٹھی ٹیکتا ہوا، ایک بوڑھا کمزور شخص حاضر



Marfat.com

ہوا۔ آپ ﷺ نے اس بوڑھے سے تحقیق فرمائی، اس نے کہنا شروع کیا۔ "خدا کے رسول ﷺ! ایک زمانہ تھا، جب یہ کمزور اور بے بس تھا اور مجھ میں طاقت تھی، میں مالدار تھا اور یہ خالی ہاتھ، میں نے کبھی اسے اپنی چیزیں لینے سے نہیں روکا۔ آج میں کمزور ہوں اور یہ تندرست و طاقتور ہے۔ میں خالی ہاتھ ہوں اور یہ مالدار ہے۔ اب یہ اپنا مال مجھ سے بچاتا ہے۔" یہ باتیں سن کر رحمت عالم ﷺ رو پڑے اور فرمایا "تو اور تیرا مال دونوں تیرے باپ کے ہیں تو اور تیرا مال، تیرے باپ کے ہیں۔"

۱۰۔ دعا و استغفار: اپنے والدین کے لیے اللہ تعالیٰ سے دُعا کرنی چاہیے۔ "وقل رب ارحمھما کما ربیانی صغیرا (بنی اسرائیل) اور دُعا کرو کہ اے میرے پروردگار! ان دونوں پر رحم فرما، جس طرح ان دونوں نے بچپن میں میری پرورش فرمائی۔ رب اغفرلی ولوالدیَّ اے میرے پروردگار! میری اور میرے والدین کی بخشش کر۔" حضور ﷺ نے فرمایا: "جب انسان مرجاتا ہے تو اس کے سب اعمال ختم ہوجاتے ہیں۔ لیکن تین چیزوں کا نفع پہنچتا رہتا ہے۔ ۱-صدقہ جاریہ ۲-ایسا علم جس سے لوگ نفع حاصل کرتے ہوں۔ ۳-نیک اولاد جو اس کے لیے دُعا کرتی رہے۔"

خلاصہ: والدین کا شکر گذار، خدمتگار اور اطاعت گزار ہونا چاہیے، ان کی زندگی میں انہیں کوئی بھی تکلیف و پریشانی نہ دینی چاہیے، والدین کی وفات کے بعد بھی ان کی وصیت کی تکمیل اور ان کے لیے دعا و استغفار ضرور کرنی چاہیے۔ والدین کے رشتہ داروں، دوستوں اور ہمعمروں کا بھی ادب و احترام کرنا چاہیے، بہرحال والدین کو اللہ تعالیٰ کی نعمت سمجھتے ہوئے، ان کی خدمت کے ذریعے جنت حاصل کرنی چاہیے۔ اللہ ہمیں توفیق دے کہ ہم اپنے والدین کو راضی و خوش رکھ سکیں۔ آمین

جہاں والدین کے حقوق ہیں، وہاں اولاد کے بھی حقوق ہیں۔

اولاد کے حقوق: والدین کے لیے نیک اولاد اللہ تعالیٰ کی بے بہا نعمت ہے۔ اس لیے اس نعمت کی قدر کرنا انتہائی ضروری ہے۔ اولاد نہ ہو تو اللہ تعالیٰ سے نیک اولاد کی دُعا کریں۔ "رب ھب لی من لدنک ذرّیۃ طیّبہ انک سمیع الدّعاءِ (مریم) ترجمہ میرے رب! تو اپنے پاس سے مجھے پاک باز اولاد عطا فرما، بے شک تو دُعا سننے والا ہے۔"



Marfat.com

۱۔ اچھانام رکھنا: نام سے آدمی کی شخصیت پر اثر پڑتا ہے، اگر کسی کا نام اچھا ہو گا تو نفسیاتی طور پر اس پر اثر پڑے گا کہ میرا اچھانام ہے اور والدین کی خود یہ خواہش ہو گی کہ ان کی اولاد کو اچھے نام سے بلایا جائے۔ لہٰذا والدین کو چاہیے کہ بچے کے پیدا ہونے کے بعد دائیں کان میں اذان بائیں کان میں اقامت کہی جائے۔ اس سے بچہ تمام آفات و مصائب سے محفوظ رہتا ہے اور ساتویں دن عقیقہ کرنا چاہیے۔ یہ سب مستحب ہے، نیز اچھانام رکھا جائے۔ نام کسی پیغمبر کے نام پر ہو یا اللہ تعالیٰ کی صفات؛ اس کے شروع میں "عبد" ہو۔ کیونکہ آپ ﷺ نے فرمایا کہ "قیامت کے روز تمہیں اپنے اپنے ناموں سے پکارا جائے گا اس لیے بہتر نام رکھا کرو۔" بچے کا ساتویں دن یا سات سال کی عمر کے اندر ختنہ کرانا چاہیے۔

۳۔ پرورش و کفالت: اولاد کی پرورش و کفالت کا جذبہ ایک عام فطری قدرتی جذبہ ہے، جو اللہ تعالیٰ نے والدین کے دل میں ڈال دیا ہے، والدین کے لیے ضروری ہے کہ اولاد کی اس وقت تک پرورش و کفالت کرتے رہیں اور ان کی تمام جائز ضروریات پوری کرتے رہیں، جب تک وہ خود کسی کام کرنے کے قابل نہ ہوں۔ پرورش میں ماں کا دودھ پلانا بھی شامل ہے۔ ماں پر، بچے کا یہ حق ہے کہ، اس کو اپنا دودھ پلائے جس کا عرصہ تقریباً اڑھائی سال تک ہے۔ نیز بالغ ہونے تک اس کی تمام ضروریات پوری کرنا، والدین پر فرض ہے۔ اولاد کو اسقاطِ حمل کے ذریعے ضائع بھی نہیں کرنا چاہیے۔ قرآن میں ارشاد ہے۔ ولا تقتلوا اولادکم خشیة املاق نحن نرزقهم وایاکم (بنی اسرائیل) "اور اپنی اولاد کو فقر و فاقے کے خوف سے قتل نہ کرو، ہم ان کو بھی رزق دیں گے اور ہم تمہیں بھی رزق دے رہے ہیں۔" بچی پر بچے کو ترجیح نہیں دینی چاہیے بلکہ بعض مواقع پر آپ ﷺ نے لڑکے سے لڑکی کی زیادہ اہمیت بتائی ہے۔

۴۔ حسن سلوک: اولاد کے ساتھ نیک سلوک کیا جائے۔ اگر بد سلوکی کی جائے گی تو اولاد بگڑ سکتی ہے۔ لہٰذا ان کے جذبات و احساسات کا خیال رکھتے ہوئے، ڈانٹنے سے پرہیز کیا جائے۔ بات بات پر غصہ کرنا، چیخنا چلانا، جھڑکنا، بُرا بھلا کہنا، نالائق، نامراد وغیرہ کے الفاظ سے بد ظن نہ کیا جائے، بلکہ ان کی غلطیاں درگذر کر کے، انہیں پیار و محبت سے سمجھانا چاہیے۔ اگر باز نہ آئیں تو کچھ سختی کی جا سکتی ہے۔ لیکن ایسا رویہ رکھا جائے

جس سے بہتری کی امید کی جا سکے۔ حضرت انسؓ فرماتے ہیں کہ: "میں دس سال برابر مدینے میں نبی ﷺ کی خدمت میں رہا، اس وقت میں نو عمر لڑکا ہی تھا، اس لیے میرا ہر کام نبی ﷺ کی مرضی کے مطابق نہ ہوتا تھا (اور نہ ہو سکتا تھا، دس بارہ سال کے بچے کی بساط ہی کیا ہے!) لیکن دس سال کی اس پوری مدت میں، کبھی بھی آپ ﷺ نے مجھے اف تک نہیں کہا اور نہ کبھی آپ ﷺ نے فرمایا کہ، یہ کیوں کیا اور یہ کیوں نہ کیا۔"

۵۔ پیار و محبت: اولاد سے محبت خدا کی رحمت و حکمت کی زبردست نشانی ہے۔ یہ جذبہ خدا نے نہ صرف انسان میں پیدا کیا ہے بلکہ جانوروں کو بھی عطا کیا ہے۔ حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے اپنے نواسے حضرت حسنؓ کو چوما اور پیار کیا۔ اس موقعہ پر اقرعؓ بن حابس بھی بیٹھے ہوئے تھے، کہنے لگے کہ: "میرے تو دس بچے ہیں، مگر میں نے تو کبھی کسی ایک بچے کو بھی پیار نہیں کیا۔" آپ ﷺ نے اس کی طرف دیکھا اور پھر فرمایا: "جو رحم نہیں کرتا، اس پر خدا بھی رحم نہیں کرتا۔" حضرت عائشہؓ سے روایت ہے کہ "ایک بدّو نبی ﷺ کے پاس آیا اور بولا کیا تم لوگ بچوں کو چومتے ہو: ہم تو بچوں کو نہیں چومتے" نبی ﷺ نے سنا تو فرمایا: "میری کیا بات ہے اگر خدا نے تمہارے دل سے رحم کا مادّہ نکال دیا ہے!"۔

۶۔ تعلیم و تربیت: والدین یہ ضروری چاہتے ہیں کہ اولاد کا مستقبل شاندار اور روشن ہو۔ دنیا کی مصروفیات کے باوجود، وہ اسی دوڑ دھوپ میں لگے رہتے ہیں۔ شاندار مستقبل کا مطلب صرف یہ نہیں کہ اولاد خوش حال ہو، ان کے پاس اعلیٰ ڈگریاں، اعلیٰ عہدے، عیش و آرام کا سامان ہو، دنیوی عزت واقتدار ہو، اونچے مکان اور سواریاں ہوں، اسلام ان چیزوں سے نہیں روکتا، بلکہ اسلام یہ چاہتا ہے کہ اس دنیوی کامیابی کے ساتھ ساتھ دین و اخلاق سے غافل نہ ہوں اور صرف انہیں چیزوں کو زندگی کی کامیابی کا مقصد نہ بنالیں۔ اولاد کا شاندار مستقبل یہ ہے کہ وہ دینی علوم سے آراستہ ہوں۔ آپ ﷺ نے فرمایا: باپ اپنی اولاد کو جو کچھ دیتا ہے، اس میں سب سے بہتر عطیہ اچھی تعلیم و تربیت ہے۔" اور دوسری حدیث میں آپ ﷺ نے فرمایا "اولاد کے ساتھ رحم و کرم کا برتاؤ کرو اور ان کو اچھی تعلیم و تربیت دو۔ تیسری حدیث میں



Marfat.com

آپ ﷺ نے فرمایا: "جب تمہارے بچے بولنے لگیں، تو انہیں کلمہ لاالہ الااللہ سکھاؤ۔ چوتھی حدیث میں آپ ﷺ نے فرمایا: "اپنی اولاد کو نماز پڑھنے کی تاکید کرو، جب وہ سات سال کے ہو جائیں، اور جب وہ دس سال کے ہو جائیں تو ان پر نماز کے لیے سختی کرو، اس عمر کو پہنچنے کے بعد ان کے بستر جدا جدا کر دو۔"

بچوں کو انبیاءؑ کے قصے، نیک لوگوں کی کہانیاں اور صحابہ کرامؓ کے کارنامے ضرور سنائے جائیں، تاکہ ان میں تربیت و تہذیب، کردار سازی اور دین سے شوق پیدا ہو۔ بہر حال اولاد کی مکمل تربیت اور تعلیم کا انتظام کرنا والدین کا فرض ہے۔ اس لیے قرآن مجید میں فرمایا گیا: "اے ایمان والو! اپنے آپ اور اپنے اہل کو عیال و جہنم کی آگ سے بچاؤ۔"

۷۔ نکاح و شادی: اولاد جب بالغ ہو جائے، تو اس کی شادی اور نکاح کرانا والدین پر فرض ہے۔ اگر وقت پر شادی نہ ہو تو، اولاد کسی گناہ میں مبتلا ہو سکتی ہے اور اس کا وبال والدین پر ہی ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: "جس شخص کو خدا اولاد سے نوازے تو اس کا کام یہ ہے کہ، اس کا اچھا نام رکھے، اسے اچھی تربیت دے اور جب وہ بالغ ہو جائے تو اس کا نکاح کرا دے۔ اگر بالغ ہونے پر، اس نے اولاد کا نکاح نہ کیا اور وہ کسی گناہ میں پڑ گئی تو اس کا وبال اس کے باپ پر ہو گا۔" رشتہ تلاش کرتے وقت صرف مال دولت کو نہ دیکھیں بلکہ دین کو اوّلیت دیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا "نکاح کے لیے عام طور پر عورت میں چار چیزیں دیکھی جاتی ہیں۔ مال و دولت، خاندانی شرافت، حسن و جمال، دین واخلاق۔ تم دیندار عورت سے شادی کرو، تمہارا بھلا ہو گا۔"

۸۔ اولاد کے لیے دُعا: والدین کی دعا، اولاد کے حق میں ضرور قبول ہوتی ہے۔ اس لیے والدین کو چاہیے کہ اپنی اولاد کے حق میں ضرور دُعا کریں کہ وہ نیک ہوں، اس کا مستقبل بہتر ہو، انھیں جنت میں مقام ملے وغیرہ۔

۹۔ ملکیت میں حصہ: اپنی زندگی ہی میں اور [illegible] کو اپنی ملکیت کا [illegible] ارث کرنا چاہیے تاکہ بعد میں جھگڑا پیدا نہ ہو، اس سلسلے میں لڑکی کو کبھی نظر انداز نہیں کرنا چاہیے۔ کیونکہ لڑکی کا حصہ قرآن سے ثابت ہے۔ عام طور پر اپنے والدین کی وراثت اور ملکیت میں لڑکی کو حصہ نہیں دیا جاتا، اور اسی بہانے کئی بیٹیاں ایسی ہیں، جن کی شادی بھی اسی ڈر



Marfat.com

سے نہیں کرائی جاتی، کہ میراث میں حصہ دینا پڑے گا۔ حقیقت میں یہ بہت بڑا گناہ ہے۔ لہٰذا، بیٹے کی بیٹی کو بھی، اپنے والدین کی ملکیت سے حصہ دینا چاہیے۔ اس لیے بہتر ہے کہ والد اپنی زندگی میں ہی جائیداد اولاد میں تقسیم کر دے۔

خلاصہ: اسلام نے معاشرے میں اولاد کی اہمیت اور قدر و منزلت قائم کی ہے۔ زمانۂ جاہلیت میں اگرچہ لڑکے کو تھوڑی بہت اہمیت تھی، لیکن لڑکی کی کوئی حیثیت نہیں تھی۔ چنانچہ اسلام نے دونوں کو مساوی حقوق دے کر، ان کی ادائیگی کی بھی تاکید کی۔ اب اگر اسلامی معاشرے، میں، والدین اپنی اولاد کے حقوق ادا کریں تو آج کے بچے کل کے معمار، کوئی انقلاب برپا کر سکتے ہیں۔ والدین کے لیے یہ بھی ضروری ہے کہ اپنی اولاد کو فحش لٹریچر، گندی فلموں اور بے حیائی کے پروگراموں سے بھی محفوظ رکھیں۔ تاکہ بچپن سے ہی ان میں اچھی عادات پیدا ہوں۔ انہیں ایسی مصروفیات مہیا کریں، جن سے ذہن پاک رہے۔

***

Marfat.com

# آفات اللسان:
# نجات و عملی تدابیر

عبدالوھاب منگریو
لیکچرر اسلامیات

## آفات اللسان: معنیٰ اور مفہوم

آفات اور لسان، دونوں عربی زبان کے الفاظ ہیں۔ آفات، آفت کی جمع ہے۔ جس کے معنی ہیں، مصیبت، بلا اور فساد پیدا کرنے والا عمل اور لسان کے معنی ہیں، زبان۔ عرف عام میں آفات اللسان سے مراد زبان کے ذریعے ہونے والے ایسے اعمال ہیں، جن کے ذریعے انسان گناہ کا مرتکب ہو جائے اور کسی مصیبت یا بلا کا شکار ہو جائے۔

## زبان کی اہمیت

قرآن مجید میں، لفظ لسان (زبان) پندرہ مقامات پر آیا ہے۔ ایک جگہ فرمایا گیا۔۔۔

ترجمہ: کیا ہم نے انسان کو دو آنکھیں اور ایک زبان اور دو ہونٹ نہیں دیے (بلد) مذکورہ آیت میں لفظ لسان، زبان کے معنی میں استعمال ہوا ہے۔ لیکن یہ لفظ، بولی کے معنی میں بھی قرآن کریم میں استعمال ہوا، جیسے ارشاد ہے۔ ھو افصح منی لسانا: وہ مجھ سے بولی کے اعتبار سے زیادہ فصیح ہے۔ (القصص) اللہ تعالیٰ کی تمام نعمتوں میں سے ایک بہت بڑی نعمت زبان بھی ہے۔ انسان کی اصلیت اور اس کے پہچان زبان کے ذریعے ہی ہوتی ہے اور زبان کے ذریعے ہی کھانے پینے اور چکھنے کا احساس بھی ہوتا ہے۔ نیز انسان اور حیوان میں بہت بڑا فرق زبان ہی کا ہے۔ انسان دل کا اظہار کر سکتا ہے لیکن حیوان نہیں کر سکتا۔ در حقیقت زبان انسان کی عقل اور دل کی ترجمان ہے۔



Marfat.com

## زبان کی آفات

زبان، ایک ایسا عضو اور آلہ ہے، جس کے ذریعے انسان اچھے اور برے عمل کی تمیز کا اظہار کر سکتا ہے۔ یہ زبان، انسان سے بے قابو بھی ہو جاتی ہے، جس کی وجہ سے وہ برے اعمال کرنے لگتا ہے اور برے اعمال اسی کے ذریعے ہی سرزد ہو جاتے ہیں، چنانچہ زبان سے سرزد ہونے والے گناہ کئی قسم کے ہو سکتے ہیں؛ جن میں سے اکثر یہ ہیں: (۱) غیبت کرنا (۲) جھوٹ بولنا (۳) وعدہ خلافی کرنا (۴) بہتان لگانا (۵) چغل خوری کرنا (۶) لعن طعن کرنا (۷) مسخرا پن کرنا (۸) بے جا تعریف کرنا (۹) برے القاب دینا (۱۰) بے جا خاموش ہونا (۱۱) بدکلامی کرنا (۱۲) خودنمائی کرنا (۱۵) منافقت کرنا۔ ان سب کی تعریفِ قرآن و حدیث کی روشنی میں اس طرح سے ہے۔

### (۱) غیبت

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ، رسول ﷺ نے غیبت کی وضاحت ان الفاظ میں بیان فرمائی: ذکرك اخاك بما یکرہ قبل افرایت ان کان فی اخی ما اقول قال ان کان فیہ ما تقول فقد اغتبتہ وان لم یکن فیہ ما تقول فقد بھتہ: اپنے مسلمان بھائی کا، اس طرح ذکر کرنا کہ اسے ناگوار محسوس ہو، عرض کیا گیا کہ آپ ﷺ کا کیا خیال ہے کہ اگر وہ برائی میرے بھائی میں موجود ہو، جو میں کہتا ہوں، فرمایا، اگر وہ اس میں موجود ہے، تم کہتے ہو تو یہ اس کی تم نے غیبت کی اور اگر اس میں موجود نہیں ہو، تو تم نے اس پر بہتان لگایا۔

علماء کرام کے نزدیک، غیبت کا شرعی مفہوم یہ ہے کہ "وہ آدمی کی غیر موجودگی میں اس کا ذکر برائی کے ساتھ کرتا ہے۔"

### غیبت کی سزا

معراج کے وقت، آپ ﷺ نے، غیبت کرنے والے لوگوں کی سزا اس طرح دیکھی۔ "ونظرفی النار فاذا قوم یاکلون الجیف قال من ھولاء یا جبرائیل قال ھولاء الذین یاکلون لحوم الناس۔ ترجمہ: آنحضرت ﷺ نے جہنم میں ایک گروہ کو مردہ لاش کھاتے ہوئے دیکھا تو جبرئیل سے دریافت فرمایا: "یہ کون لوگ ہیں؟" تو کہا: "یہ وہ لوگ ہیں، جو



Marfat.com

لوگوں کی غیبت کرتے تھے یہ ان کا گوشت کھاتے تھے۔"

ایک اور حدیث شریف میں آپ ﷺ نے فرمایا۔ الغیبت اشد من الزنا قبل و کیف قال الرجل یزنی ثم یتوب فیتوب اللہ علیہ وان صاحب الغیبۃ لایغفرلہ حتی یغفرلہ صاحبہ۔ ترجمہ: غیبت کا گناہ، زنا سے زیادہ سخت ہے، عرض کیا گیا کیسے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: آدمی زنا کرتا ہے، پھر توبہ کرتا ہے، تو اللہ تعالیٰ اس کی توبہ قبول کر لیتا ہے۔ مگر غیبت کرنے والے شخص کی بخشش نہیں ہوتی، یہاں تک کہ، جس کی غیبت کی وہ اسے معاف کر دے۔

ایک اور حدیث میں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا۔ "من اکل لحم اخیہ فی الدنیا قرب الیہ یوم القیامہ فیقال لہ کلہ کما اکلۃ حیا فیا کلہ ویکلح ویضیح" ترجمہ: جو شخص دنیا میں اپنے بھائی کا گوشت کھائے گا، (غیبت کرے گا) تو قیامت کے دن وہی گوشت اس کے قریب جائے گا اور کہا جائے گا کہ، اس مردہ کو کھا جس طرح تم اس کو زندگی میں کھاتے رہے، چناچہ وہ منہ بگاڑ بگاڑ کر کھائے گا۔ قرآن مجید میں اس کی سزا اس طرح بتائی گئی۔ ولایغتب بعضکم بعضا ایحب احد کم ان یاکل لحم اخیہ میتافکرھتموہ۔ ترجمہ اور تم میں سے کوئی کسی کی غیبت نہ کرے۔ کیا تم میں سے کوئی یہ پسند کرے گا کہ وہ اپنے مردہ بھائی کا گوشت کھائے؛ پس اسے تم ناپسند کرو گے۔

غیبت کا دائرہ بہت وسیع ہے، چنانچہ یہ زبان، آنکھ، ہاتھ، پاؤں اور مختلف اشاروں کے ذریعے بھی ہو سکتی ہے، یعنی ان اعضا کے ذریعے، کسی کی نقل کی جائے۔ البتہ چند ایسی ضرور جائز صورتیں ہیں، جن میں علماء کرام کے نزدیک غیبت کرنا مباح اور جائز ہے۔ لیکن وہ شرعاً صحیح ہو اور اس کی نیت اصلاح ہو۔ مثلاً ظلم کے خلاف، کسی برائی کو دور کرنے کے لیے مدد طلب کرنا، کسی شرعی مسئلہ میں فتویٰ لینا، کسی شر اور فتنے سے لوگوں کو خبردار کرنا، کسی سربراہ کو اس کے ماتحت عملے کی خرابیوں سے آگاہ کرنا، انصاف حاصل کرنے کے لیے عدالت سے رجوع کرنا، معاملات میں مشورہ کے وقت، کسی کی اصلی حالت سے لوگوں کو آگاہ کرنا۔ بہر حال اگر مسلمان، مسلمان کو بھائی سمجھ کر اس کی اصلاح اور خیر خواہی کی نیت رکھتا ہے، تو وہ اس کی تحقیر و تذلیل نہیں بلکہ اس کی بہتری اور بھلائی سوچے گا۔



Marfat.com

## ۲۔ جھوٹ بولنا

اس سے مراد غلط بیانی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے جھوٹ کی مذمت کی ہے۔ فرمایا ہے۔ ان اللہ لایھدی من ھوکاذب کفار۔ ترجمہ: بیشک اللہ تعالیٰ اس کو سیدھی راہ نہیں دکھاتا، جو جھوٹا ہے (اور) احسان نہیں مانتا۔ ایک اور آیت میں فرمایا: فنجعل لعنت اللہ علی الکاذبین۔ ترجمہ: بس جھوٹوں پر اللہ تعالیٰ کی لعنت ہے۔

آپ ﷺ نے، منافق کی نشانیوں میں سے ایک نشانی یہ بھی فرمائی کہ اذاحدث کذب یعنی: جب وہ بات کرے تو جھوٹ بولے۔ ایک اور حدیث شریف میں آپنے فرمایا۔ ”اذاکذب العبد تباعد عنه الملك میلا من نتن ماجاءبهٖ“ ترجمہ: ”آدمی جھولٹ بولتا ہے، تو رحمت کے فرشتے، اس سے ایک میل دور جاتے ہیں۔ اس بدبو کے باعث جو جھوٹ بولنے سے پیدا ہوتی ہے۔“ آپ ﷺ سے پوچھا گیا کہ ایکون المومن کذابا قال لا۔ ترجمہ: ”کیا مومن جھوٹا ہوسکتا ہے؟“ فرمایا: ”نہیں۔“ آنحضرت ﷺ نے ایک اور حدیث میں فرمایا کہ: جھوٹ انسان کو گناہ کی طرف لے جاتا ہے اور گناہ دوزخ میں۔ ان تصریحات سے معلوم ہوا کہ، جھوٹ کی برائی کی وسعت بہت بڑی ہے؛ اس میں کفر بھی آجاتا ہے اور کفر سے بری چیز اور کوئی نہیں۔

جھوٹ میں جھوٹی گواہی بھی آجاتی ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: عدلت شهادة الزور بالاشراك بالله ثلاث مرات ثم تلا فاجتنبوا الرجس من الاوثان واجتنبوا قول الزور: ترجمہ: جھوٹی گواہی اللہ تعالیٰ کے ساتھ شرک کرنے کے برابر ہے، آپ ﷺ نے یہ بات تین مرتبہ فرمائی، پھر ثبوت میں یہ آیت پڑھی، بچو بت پرستی (شرک) کی نجاست سے، اور بچو جھوٹ بولنے (اور جھوٹی شہادت) سے۔ جھوٹی قسم سے بھی منع کیا گیا، چنانچہ قرآن میں فرمایا۔ لاتنقضوا الایمان بعد توکیدھا۔ ترجمہ: جو لوگوں کے ہنسانے کے لیے جھوٹ بولتا ہے، اس پر بڑے افسوس کی بات ہے۔

ان توضیحات سے معلوم ہوا کہ کسی بھی حالت میں جھوٹ نہیں بولنا چاہیے، بلکہ ہمیشہ صداقت اور سچ کا دامن تھامنا چاہیے۔

Marfat.com

## ۳۔ وعدہ خلافی کرنا

وعدہ خلافی بھی حقیقت میں ایک قسم کا جھوٹ ہے۔ آپ ﷺ نے منافق کی نشانیوں میں سے، ایک نشانی یہ بھی بتائی، کہ واذاوعد اخلف۔ ترجمہ: جب وعدہ کرے تو خلاف ورزی کرے۔

چنانچہ قرآن مجید میں، اللہ تعالیٰ نے، ایفائے عہد کی سخت تاکید کی ہے۔ فرمایا: واوفوابالعھد ان العھد کان مسئولا۔ ترجمہ: اور وعدہ پورا کرو، کیونکہ وعدہ کی باز پرس ہوگی۔

حقیقی مومن کی یہ خوبی اور خصوصیت ہے کہ، وہ زبان کا پکا اور پختہ ہوتا ہے، کسی طمع، حرص اور ذاتی مفاد کی وجہ سے، وعدہ کے خلاف نہیں کرتا، بلکہ ذات کو پیچھے کرکے بھی اپنی زباں کا سچا اور پابند ہوتا ہے۔

## ۴۔ بہتان لگانا

درحقیقت، بہتان بھی ایک قسم کا جھوٹ ہے۔ کیونکہ بہتان کا مطلب یہ ہے کہ، کسی بے گناہ اور بے قصور کو، جان بوجھ کر گناہ گار ٹھرایا جائے اور اس کی طرف کوئی قصور یا جرم منسوب کیا جائے۔ قرآن مجید میں اس کی سخت ممانعت آئی ہے۔ چنانچہ فرمایا گیا۔ ومن یکسب خطیئۃ او اثما ثم یرم بہ بریئا فقد احتمل بھتانًا وَّاِثْمًا مُّبِیْنًا۔ (نسآء ۱۱۲-) ترجمہ: اور جو کوئی خطا یا گناہ کرے، پھر وہ اس کی تہمت، کسی بے گناہ پر دھرے، تو اس نے بہتان اور کھلا گناہ اپنے سر لادا۔ ایک اور آیت میں فرمایا: والذین یوذون المومنین المومنت بغیر ما اکتسبوا فقد احتملوا بھتانا واثما مبینا۔ ترجمہ: اور جو لوگ مسلمان مردوں اور مسلمان عورتوں کو، ان کے قصور کے بغیر ایذاء دیتے ہیں، تو وہ بہتان اور صریح گناہ کا بوجھ اٹھاتے ہیں۔

ایک اور جگہ فرمایا: ان الذین یرمون المحصنت الغفلت المومنت لعنوافی الدنیا والاخرۃ ولھم عذاب عظیم۔ ترجمہ: "بیشک جو لوگ پاک دامن اور بے خبر مومن عورتوں پر تہمت لگاتے ہیں ایسے لوگ دنیا اور آخرت میں لعنت کیے گئے اور ان کے لیے بڑا عذاب ہے۔" غیبت والی حدیث میں بھی اس طرح فرمایا گیا کہ: وان لم یکن فیہ ماتقول فقد بھتہ۔ ترجمہ: اگر کسی کے متعلق کہی ہوئی بات، اس میں موجود نہیں ہے، تو یہ اس پر بہتان ہے۔



Marfat.com

ان حقائق سے معلوم ہوتا ہے کہ، کسی کی دل آزاری کرنا اور اس سے کوئی بے جا قصور اور جرم منسوب کرنا، سخت اذیت کے لائق ہے اور بہت بڑا گناہ ہے۔

## ۵۔ چغل خوری کرنا

دراصل چغل خوری بھی جھوٹ کی ہی ایک بدترین قسم ہے۔ چغل خوری کا مطلب یہ ہے کہ، ادھر ادھر کی جھوٹی باتیں بنا کر، دو آدمیوں کے درمیان نفرت پیدا کی جائے اور ایک دوسرے کے خلاف بھڑکا کر، موقعہ سے فائدہ لے کر اپنا اثر و رسوخ قائم کیا جائے۔ ایسی باتوں کی تحقیق کرنے کی قرآن میں سخت تاکید کی گئی۔ یاایھاالذین امنواان جائکم فاسق بنبافتبینوا ان تصبیوا۔ ترجمہ: "اے ایمان والو! اگر کوئی گناہگار، تمہارے پاس کوئی خبر لے کر آئے تو تحقیق کرو کہ کہیں کسی پر نادانی سے جا نہ پڑو، پھر اپنے کئے پر پچھتانے لگو۔ اس آیت کی روشنی میں جھوٹی بات اور خبر پھیلانے والے کو فاسق کہا گیا۔ اس کا دوسرے الفاظ میں مقصد یہ بھی ہے کہ، فاسق اور گناہ گار ہی یہ کام کرسکتے ہیں۔ کسی حقیقی مومن سے یہ توقع اور ... نہیں کی جاسکتی۔ ایک حدیث شریف میں آپ ﷺ نے فرمایا۔ المشاؤن بالمنیمہ ... ون بین الاحبہ۔ ترجمہ: جو لوگ چغلیاں کھاتے پھرتے ہیں اور دوستوں کی محبت میں فساد ڈالتے ہیں۔ اس حدیث میں مفسد اور فاسق لوگوں کی خرابی بتائی گئی ہے کہ ان کا کام صرف فتنہ اور فساد پیدا کرنا ہے۔ ایک اور حدیث میں چغل خوروں کی سزا بتاتے ہوئے، آپ ﷺ نے فرمایا: لایدخل الجنہ قتات۔ ترجمہ: جنت میں چغل خور داخل نہ ہو گا۔

## لعن تعن کرنا

کا مطلب ہے، اللہ تعالیٰ کی رحمت سے کسی کو دور کرنا یا ہٹانا۔ جب کوئی شخص کسی پر لعن طعن کرتا ہے تو وہ گویا اس کے حق میں بددعا کرتا ہے کہ تو خدا تعالیٰ کی رحمت سے دور ہو۔ بلا سبب کسی بھی انسان، حیوان یا کسی اور چیز پر لعنت کرنا یا بددعا کرنا اچھی خصلت نہیں۔ لعنت کئے جانے والا اگر اس کا مستحق نہیں، تو وہ لعنت لوٹ کر، لعنت کرنے والے پر پڑ جاتی ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا لاتلاعنوا بلعنہ ولا بعضا ولا بالنار۔ ترجمہ: تم کسی کے اوپر اللہ کی لعنت مت بھیجو اور نہ بددعا کرو، خدا کے غصے کے ساتھ اور نہ ہی جہنم کی آگ کے ساتھ۔

ایک اور حدیث میں آنحضرت ﷺ نے فرمایا: ماں باپ پر لعنت کرنا گناہِ کبیرہ ہے۔ لوگوں نے عرض کیا کہ، یارسول اللہ ﷺ ماں باپ پر بھلا کون لعنت کرے گا تو آپ ﷺ نے فرمایا: تسب اباالرجل فیسب اباہ ویسب امہ۔ ترجمہ: جب کوئی کسی کے باپ کو گالی دے گا تو وہ بھی اس کے باپ کو گالی دے گا (اس کی ماں کو گالی دے گا تو وہ بھی) اس کی ماں کو گالی دے گا۔ ایک اور حدیث میں آپ ﷺ نے فرمایا: لایکونون اللعانون شفعاء ولاشھداء یوم القیامۃ۔ ترجمہ: کسی پر لعنت کرنے والے قیامت کے روز کسی کی سفارش کر سکیں گے اور نہ ہی کسی کی گواہی دے سکیں گے۔

بہر حال، ان توضیحات سے معلوم ہوا کہ، کسی پر لعن طعن کرنا بہت برا عمل ہے، البتہ اگر کوئی اپنے برے کارناموں اور اعمال کی وجہ سے، لعنت کا مستحق ہے، تو ایسے لوگوں کو اللہ تعالیٰ کی رحمت سے دوری کی لعنت کی جا سکتی ہے۔ جیسے قرآن پاک میں مشرک، کفار، منافق، یہودی اور عیسائی لوگوں کی اللہ تعالیٰ کی سرکشی، بغاوت، کفر طغیان، انکار، نافرمانی، دین سے مذاق اور مختلف برے اعمال کی وجہ سے لعنت کی گئی ہے۔

## مسخرہ پن کرنا

نازیبا ہنسی مذاق کرنا یا مسخرہ پن اختیار کرنا، انتہائی بری عادت ہے۔ کسی پر ہنسی، مذاق کرنا، دراصل اس کو حقیر اور کمزور سمجھ کر اپنے آپ کو اونچا رکھنے کی کوشش کی جاتی ہے۔ قرآن مجید میں ایسی حرکت سے سخت منع کیا گیا ہے۔ چنانچہ فرمایا گیا: یاایھاالذین امنوالایسخر قوم من قوم عسیٰ ان یکونوا خیرا منھم ولانساء عسیٰ ان یکن خیر اُمنھن۔ ترجمہ: اے ایمان والو! مرد مردوں پر نہ ہنسیں شاید کہ وہی ان سے بہتر ہوں اور نہ ہی عورتیں، عورتوں پر ہنسیں۔ شاید کہ وہ بھی ان سے بہتر ہوں۔

اس آیت کا مطلب یہ ہے کہ لوگوں کو حقیر و ذلیل سمجھنا اور ان کا مذاق اڑانا یا مسخری کرنا بری خصلت ہے۔ ممکن ہے جن کی تذلیل اور تحقیر کی جارہی ہے وہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک ان سے اچھے اور بہتر ہوں۔ ایک حدیث شریف میں زیادہ ہنسنے سے منع کیا گیا فرمایا: ولاتکثرو الضحک فان کثرۃ الضحک تمیت القلب۔ ترجمہ: اور زیادہ مت ہنسو، کیونکہ زیادہ ہنسنا دل کو مردہ بنا دیتا ہے۔ ایک اور حدیث میں فرمایا: والذی نفسی بیدہ لوتعلمون



Marfat.com

ما اعلم لبکیتم کثیراً اولضحکتم قلیلا۔ ترجمہ: قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضے میں میری جان ہے، اگر تم ان باتوں کو جان لیتے جن کو میں جانتا ہوں، تو زیادہ روتے اور کم ہنستے۔

## ۸۔ بے جا تعریف کرنا

در حقیقت، کسی کی بے جا تعریف کرنا بھی، ایک جھوٹ کی قسم ہے، کہ کسی کو خوش کرنے لیے، اس کے سامنے زیادہ بڑھا چڑھا کر اس کی تعریف کی جائے، جو اسکے لائق نہیں۔
اس سے ایک تو تعریف کرنے والا اپنا میدان صاف کرنا چاہتا ہے اور دوسرا یہ کہ ممدوح کے غرور، تکبر اور فخر میں اضافہ ہو جاتا ہے، البتہ اگر ممدوح ایسی بے جا تعریف کے خلاف ہے تو اس میں اس کا کوئی قصور نہیں۔ اس لیے آپ ﷺ نے فرمایا: اذا ریتم المداحین فاحثوائی وجوھھم التراب۔ ترجمہ: تم جب تعریف کرنے والوں کو دیکھو تو ان کے منہ میں خاک ڈال دو۔ آنحضرت ﷺ نے ایک شخص کو دوسرے کی مبالغہ آمیز تعریف کرتے ہوئے سنا، تو فرمایا: تم نے اس کو برباد کر دیا۔

## ۹۔ برے القاب دینا

کسی کو حقیر اور ذلیل کرنے کے لیے یا اس کو کمزور سمجھ کر برے القاب دینا، بہت بری بات ہے۔ قرآن مجید میں ایسے عمل سے سخت منع کیا گیا ہے، چنانچہ فرمایا گیا۔ لاتنا بزوا بالالقاب۔ ترجمہ: اور تم ایک دوسرے کو برے القاب نہ دو۔
اگر کسی کا لقب، نام، عرف، یا تخلص وغیرہ ایسا ہے کہ بظاہر وہ اچھا نہیں لگتا، لیکن اس شخص کی پہچان انہی الفاظ کے ذریعے ہی ہے اور وہ ان الفاظ سے ناراض بھی نہیں ہوتا، تو پھر ایسے الفاظ سے منسوب کرنا جائز ہے۔

## ۱۰۔ بے جا خاموش ہونا

انسان کو اللہ تعالیٰ نے، زبان بولنے کے لیے ہی دی ہے، لیکن اس سے نیک کام ہی لینے چاہئیں، ورنہ خاموش رہنا بہتر ہے، کیونکہ زبان سے نکلی ہوئی ہر بات فرشتے لکھتے ہیں۔ کسی ایسے موقع پر خاموش رہنا، جہاں بولنا ضروری ہے، یہ بھی زبان کی گویا آفت ہے۔ اس لیے



Marfat.com

آپ ﷺ نے فرمایا: افضل الجهاد کلمه حق عند سلطان جائر۔ ترجمہ: ظالم بادشاہ کے سامنے حق اور ثابت شدہ بات کہنا، سب سے بڑا جہاد ہے۔

بے جا کلام کرنے یا زیادہ بولنے سے بھی منع کیا گیا ہے۔ فرمایا: اکثروا الناس ذنوبا اکثرهم کلاما فیما لایعنیه۔ ترجمہ: زیادہ اور فضول باتیں کرنے والا سب سے بڑا گناہ گار ہے۔ ایک اور حدیث شریف میں فرمایا: من صمت نجا۔ ترجمہ: جو چپ رہا، وہ نجات پا گیا۔

ان تصریحات سے معلوم ہوتا ہے کہ جہاں بولنے کی ضرورت ہو وہاں نہ بولنا گناہ ہے اور جہاں خاموش رہنا بہتر ہے، وہاں بولنا گناہ کے ارتکاب کے برابر ہے۔

## ۱۱۔ بد کلامی کرنا

اللہ تعالیٰ نے انساں کو زبان اس لیے دی ہے کہ وہ اس سے ایسا کلام کرے جس سے نہ تو کسی کو کوئی تکلیف پہنچے اور نہ ہی اس میں کسی کی ایذاء رسانی ہو، اس لیے نرم گفتگو اور کلام کرنے کی سخت تاکید کی گئی ہے۔ چنانچہ قرآن میں فرمایا گیا: یاایها الذین امنوا اتقوا الله وقولوا قولا سدیدا۔ ترجمہ: اے ایمان والو! اللہ سے ڈرو اور سیدھی بات کہو۔

ایک اور جگہ فرمایا: قولوا للناس حسنا۔ ترجمہ: لوگوں سے اچھے اور بھلے طریقے سے بات کرو۔ ایک حدیث میں حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے بتایا کہ: کان کلام رسول الله کلاما فصیلا یفهمه۔ ترجمہ: رسول اللہ ﷺ کی گفتگو الگ الگ ہوتی تھی کہ ہر سننے والا اسے (باآسانی) سمجھتا تھا۔

اس طرح گالی دینے کو بھی بد کلامی میں ہی شمار کیا جاتا ہے اور اس سے سختی سے منع کیا گیا، چنانچہ ایک حدیث شریف میں آپ ﷺ نے فرمایا: ان اشد الناس عند الله منزله یوم القیامه ترکه الناس اتقاء شره۔ ترجمہ: بیشک قیامت کے روز، اللہ تعالیٰ کے نزدیک، قدر و منزلت کے اعتبار سے سب سے بدتر شخص وہ ہوگا کہ لوگ اس کے شر سے بچنے کے لیے اس سے کنارہ کشی اختیار کریں۔

زبان سے ہر قسم کا ایسا کلام نہ نکالنا، جس سے کسی کی دل آزاری ہو یا اس کے ذریعے فتنہ وفساد پیدا ہو یا کسی کی تحقیر و تذلیل ہو، کسی جرم اور گناہ کا ارتکاب ہو جائے، بد کلامی میں شامل ہے۔

## ۱۲۔ دو رخاپن اختیار کرنا

دو رخاپن بھی در حقیقت چغل خوری کی ہی ایک قسم ہے، کیونکہ ایک شخص دوسرے کا ہمدرد اور خیر خواہ بن کر، ایک کی بات دوسرے تک پہنچائے اور دونوں کے آپس کے تعلقات بگاڑ دے اور ایک دوسرے سے بدگمان کردے۔ یہ بھی ایک بہت بڑا فتنہ ہے۔ قرآن مجید میں ایسے لوگوں کی اس طرح وضاحت کی گئی ہے۔ واذالقواالذین امنواقالوا امنا واذا خلوا الیٰ شیاطینهم قالوا انا معکم۔ ترجمہ: اور جب وہ ایمان والوں سے ملتے ہیں تو کہتے ہیں کہ ہم ایمان لائے اور جب اپنے شیطانوں سے ملتے ہیں تو (ان سے) کہتے ہیں کہ ہم تمہارے ساتھ ہیں۔ ایسے لوگوں کے متعلق آپ ﷺ نے فرمایا: ذو الوجهین فی الدنیا یاتی یوم القیامه وله وجهان من نار۔ ترجمہ: دورنے پن والا قیامت کے دن اس حال میں آئے گا کہ اس کے آگے کے دو منہ ہوں گے۔

## ۱۳۔ عیب جوئی کرنا

کسی کی تحقیر و تذلیل کے لیے اس کے عیب نکالنا بری بات ہے۔ قرآن کریم میں اس کی سخت سزا بتائی گئی ہے۔ فرمایا گیا؛ ترجمہ: ہر اس شخص کے لیے ویل (تباہی) ہے، جو عیب جوئی کرتا ہے اور آوازیں کستا ہے۔

پیٹھ پیچھے برائی کرنا، لوگوں کے نسب کی برائی کرنا، ہاتھ، زبان، آنکھ اور پاؤں کے ساتھ اشارہ کرنا، عیب جوئی میں شامل ہے۔

۱۴۔ انسان میں اللہ تعالیٰ نے بہت سارے کمالات اور خوبیاں رکھی ہیں۔ بعض اوقات وہ فخر، کبر اور غرور میں آکر دوسروں کو حقیر سمجھتا ہے اور اپنے آپ کو اونچا، اعلیٰ تر، باکمال اور قابل سمجھ کر، اپنی شہرت بڑھاتا ہے، حالانکہ؛ اللہ تعالیٰ نے اس سے سخت منع فرمایا: وکم اهلکنا من قریه بطرت معیشتها۔ ترجمہ: اور کتنی ہی بستیاں ہم نے برباد کردیں، جب وہ معیشت پر اترا چلیں۔ ایک حدیث میں فرمایا گیا: لایدخل الجنة احد فی قلبه مثقال حبه خردل من کبر۔ ترجمہ: جس کے دل میں رائی کے دانے کے برابر بھی تکبر ہوگا، وہ جنت میں داخل نہ ہوگا۔



Marfat.com

## ۱۵۔ منافقت کرنا

اس سے مراد یہ ہے کہ، حقیقت کو چھپا کر، ظاہر میں دوسری بات کی جائے، حقیقت میں یہ بھی ایک جھوٹ کی قسم ہے۔ منافقین کی قرآن مجید میں بھی تذلیل کی گئی ہے۔ چنانچہ منافق کی آپ ﷺ نے نشانیاں بتائیں ہیں؛ ان میں کچھ یہ ہیں: اذا حدث کذب واذاوعد اخلف واذاعاھد غدر واذاخاصم فجر

ترجمہ: جب بات کہے تو جھوٹ بولے، جب وعدہ کرے تو خلاف کرے، جب عہد و پیمان کرے تو عہد شکنی کرے اور جب جھگڑا کرے تو گالی دے۔ ان نشانیوں سے معلوم ہوتا ہے کہ، منافق کا کردار معاشرے کے خراب کرنے میں کتنا خراب ہے اور جس شخص میں یہ برائیاں یا نشانیاں پائی جائیں گی، وہ کبھی بھی معاشرے کا مصلح اور خیر خواہ نہیں ہو سکتا، بلکہ ہر وقت اس آڑ میں ہو گا کہ، کہیں سے کوئی خرابی پیدا ہی کی جائے، پھر اس میں کسی کی تذلیل و تحقیر کا کوئی خیال نہ رکھا جائے اور ورنہ کسی کے حقوق کی تعظیم کی جائے۔

## آفات اللسان سے نجات کی عملی تدابیر

زبان کی آفات سے نجات، صرف اور صرف ان صورتوں میں مل سکتی ہے کہ، کم بولا جائے، وقت اور موقعہ کی مناسبت سے گفتگو کی جائے، حسن ظن کو ترجیح دی جائے، فتنہ و شر جیسی مجلس و محفل سے اٹھ جانا چاہیے، ہر کسی کی اصلاح، خیر خواہی اور بہتری سوچی جائے۔ نیز ہر موقعہ پر زبان کو قابو میں رکھا جائے۔ اس سلسلے میں مندرجہ ذیل احادیث غور طلب ہیں۔

(۱) حضرت عقبہ بن عامر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ، میں نے عرض کیا، یارسول اللہ ماالنجاۃ قال امسک علیک لسانک ولیسعک بیتک وابک علیٰ خطیئتک۔ ترجمہ: کس چیز میں نجات ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: اپنی زبان کو روکے رکھو اور تمہیں اپنے گھر میں ہی رہنا چاہیے اور اپنے گناہوں پر روؤ۔

(۲) حضرت حجیفۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ، لوگوں سے آپ ﷺ نے پوچھا کہ، سب سے بہتر کام، اللہ کے پاس کیا ہے، لوگ خاموش رہے، کسی نے بھی جواب نہ دیا، تو خود ہی فرمایا۔ حفظ اللسان۔ ترجمہ: زبان کی حفاظت کرنا۔



Marfat.com

(۳) آپ ﷺ نے ایک اور حدیث میں فرمایا: من حفظ لسانه مستر الله عورته۔ ترجمہ: جس نے اپنی زبان کی حفاظت کی، اللہ تعالیٰ اس کے عیب چھپا دیتا ہے۔

(۴) ایک اور حدیث میں فرمایا: من یضمن لی مابین لحبیه وما بین رجلیه اضمن له الجنه۔ ترجمہ: جو شخص مجھے زبان اور شرم گاہ کی حفاظت کی ذمہ داری دے، میں جنت کے لیے اس کی ضمانت لیتا ہوں۔

(۵) ایک اور حدیث میں فرمایا: اذااصبح ابن آدم فان الاعضاء کلها تفکر لسان فنقول اتق الله فانما نحن بك فان استقمت اشتقمنا وان اعواججت اعواججنا۔ ترجمہ: جب ابن آدم کی صبح ہوتی ہے تو سارے اعضاء زبان سے عرض کرتے ہیں، کہ اللہ تعالیٰ سے ڈر پس ہم تمہارے ساتھ ہیں۔ اگر تو سیدھی ہو گی تو ہم بھی سیدھے ہوں گے اور اگر تو ٹیڑھی ہو گی تو ہم بھی ٹیڑے ہونگے۔

(۶) ایک شخص نے آپ ﷺ کی خدمت میں وصیت کرنے کے لیے عرض کیا تو آپ نے فرمایا: واخذن لسانك الامن خیر فانك بذالك تغلب الشیطان۔ ترجمہ: جو اپنی زبان کے ذریعے بھلائی کریں، تو اس کے ذریعے شیطان پر غالب ہو گا۔

(۷) حضرت معاذ بن جبلؓ سے روایت ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا، کیا میں تمہیں سب نیکیوں کی جڑ نہ بتاؤں؟ عرض کیا، جی ہاں یا رسول اللہ! کف علیك هذا واشار لسانه قلت یا نبی الله وانا لموا اخذون بما نتکلم به قال ثکلتك امك وهل یلب الناس فی النار علی وجوه هم اوعلی مناخرهم الاخصائل السنتهم۔ ترجمہ: تم اس کو روکے رکھو اور زبان کی طرف اشارہ فرمایا (یعنی زبان کے حفاظت و نگرانی کرو) میں نے عرض کیا، یا نبی اللہ! کیا ہم اپنی باتوں کی وجہ سے پکڑے جائیں گے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: تمہاری ماں تمہیں گم پائے (یعنی تم پر افسوس ہو۔) زیادہ تر لوگ اپنی باتوں کی وجہ سے، اوندھے جہنم میں ڈالے جائیں گے۔

ان توضیحات، تصریحات، حقائق اور دلائل سے ثابت ہوا کہ، زبان ہی انسان کا ایک ایسا اہم عضو ہے، جس کے ذریعے انسان کی زندگی محسوس و معلوم ہوتی ہے۔ لہٰذا اگر وہ اپنی زبان کی ہر لحاظ سے حفاظت کرے، تو کئی گناہوں سے نجات پا سکتا ہے اور جہنم کی آگ سے بچ، کر جنت کا مستحق بن سکتا ہے۔

***



Marfat.com

# تصوّف

سکندر علی چنا
لیکچرر اسلامیات

اسلامی معاشرے میں مذہبی علماء، متکلمین، مفکرین اور مورخین، ہمیشہ اس بات کی جستجو کرتے رہے ہیں کہ مذہبی تعلیمات کے اسرار و رموز اور حکمتوں کو اعلیٰ اور ذہین انسانوں میں کیسے عام کیا جائے اور عوام الناس کو اسلامی رسوم و رواج، مسنون اور مشروع طریقوں کا کس طرح عادی بنایا جائے۔ ایک ذہین عالم ہمیشہ سے اس کوشش میں رہا ہے کہ معترضین کے اعتراضات اور دلائل کا، بغور جائزہ لے کر، ان کا رد عمل جوابات سے کرے اور مخاطب کو مطمئن کرے۔

اسی طرح ایک مستند صوفی عالم اور دانشور کے لیے بھی ہمیشہ یہ مسئلہ جستجو اور غور و فکر کا حامل رہا ہے کہ مروجہ ماحول میں رہتے ہوئے مسنون اور مشروع طریقوں پر ایک ایسی جماعت تیار کرے جو ظاہری طور پر مروجہ دنیاوی و مذہبی رسوم کو زندگی کا لازمی جز بنا کر ان میں اعلیٰ عملی ذوق پیدا کرے اور عامل میں ذہنی و قلبی سرور و لذت کا شعوری اور عملی احساس بیدار کرے۔ صوفی دانشور، اپنے ہم عصر متکلم، فلسفی، مناظر اور معقول مزاج عالم سے مختلف رہ کر ایک خفی فکر اور سوچ کو جنم دیتا ہے۔ جس کے نتیجے میں وہ جماعت اس کی فکر اور سوچ کی روشنی میں کم تر ذریعے یعنی "معرفت" کے حصول سے، بڑے مقصد یعنی "اطاعت دین" کو ہمیشہ قائم رکھنے کو پورا کرتا ہے۔

دنیا کی تمام روایات اس بات کی تائید کرتی ہیں کہ ہر معاشرے میں بیک وقت دونوں یعنی متکلم اور معقول مزاج عالم کے ساتھ ساتھ صوفی دانشور کی بھی ضرورت رہتی ہے۔ اول



Marfat.com

الذکر معاشرے کو خطا سے محفوظ رکھنے میں اہم کردار کے حامل ہیں تو موخر الذکر اسلامی عبادات اور ان میں پوشیدہ دانش و حکمت اور رموز کو سمجھنے کا ذریعہ ہیں۔

صوفی دانشور اور متکلم یا فقیہ دونوں کا مقصد ایک ہی ہے یعنی شریعت کی پابندی کے ذریعے اللہ تعالیٰ کی رضا کا حصول۔

عبدیت کا حصول ولایت، قطبیت یا غوثیت سے بڑھ کر ہے۔ اصل میں تصوف کے مختلف طریقے کنڈر گارٹن یا مونٹیسوری اسکولوں کے مانند ہیں، جہاں جو بچے پڑھنے سے گھبراتے ہیں انہیں کھیل کود اور کھلونوں سے بہلایا جاتا ہے۔ مقصد ان کے رجحان کو تبدیل کرنا ہے۔ اسی طرح مختلف صوفی حلقوں کے طور طریقے، مراقبے یا ذکر کے حلقوں کے ذریعے، انہیں شریعت کی راہ پر چلانا ہے۔

## تلاشِ مرشد

عام طور پر مشہور ہے کہ جس کا کوئی مرشد نہیں اس کا مرشد شیطان ہے۔ اس سے صوفی دانشور جو بھی مفہوم لیتے ہیں اس سے اختلاف ممکن ہے۔ اس لیے کہ مرشد سے مراد کتاب اور سنت ہے۔ یا بیعت کا تصور، صوفی و دانشور کی بیعت، روز مرہ حالات کی پیداوار ہے۔ اس کا عام اسلامی تصور سے کوئی تعلق نہیں ہے، اگر کوئی شخص یہ دیکھے کہ ایسے حالات میں رضاء الٰہی کا حصول ممکن نہیں ہے، تو اس کی نظیر ملتی ہے جسے سلسلہ اویسیہ کہتے ہیں۔ یعنی بغیر کسی دنیاوی یا ظاہری استاد یا شیخ یا مرشد کے، حصول رضاء الٰہی ممکن ہے۔ اس لیے یہ باب ابھی تک کھلا ہوا ہے۔

## صوفیانہ شطحیات

جو لوگ مختلف قسم کے اشغالات یا اذکار یا اوراد وغیرہ کرتے ہیں اور محض اپنی روحانی صلاحیت کی ربوبیت کا کام سرانجام دیتے ہیں اور اپنے جسمانی یا طبعی تقاضوں میں توازن قائم نہیں کرتے اور یک طرفہ ہوتے ہیں انہیں اکثر ایسے حالات پیش آتے ہیں کہ ان کی برداشت سے باہر ہوتے ہیں، اور وہ ان کشف وغیرہ کا ذکر عام کر دیتے ہیں، تو متکلم یا عالم کے لیے وہ ناقابل برداشت مسائل پیدا کرتے ہیں۔ اس لیے کہ اس سے فساد فی الحق پیدا ہوتا



Marfat.com

ہے اور لوگوں کے ذہن، شک کی طرف بہت جلد مائل ہوتے ہیں۔

اصل میں انسان روح اور جسم کا مجموعہ ہے۔ ان میں باہم اصلاح یا ہم آہنگی ضروری ہے۔ اس میں اعتدال لازم ہے۔ جسمانی اعضاء کے تناسب اور سڈول ہونے کا نام حسن الخلق یعنی خوبصورتی ہے اور اسی طرح روحانی سطح پر قوائے نفسانیہ کے اعتدال کا نام حسن الخلق ہے یعنی خوب سیرتی۔ قوائے نفسانیہ میں سے چار قوتیں بنیادی اہمیت کی حامل ہیں:

(۱) قوتِ علم (۲) قوت غضب (۳) قوتِ شہوت (۴) قوتِ عقل۔ ان قوتوں کے اعتدال پر قائم رہنے سے، ظاہر و باطن درست رہتا ہے۔ اور ان کے ٹکراؤ یا زائل ہونے پر یا کم بیش ہونے سے انسان راندۂ درگاہ قرار پاتا ہے۔

(۱) قوتِ علم کے اعتدال کا نام حکمت و دانش ہے۔ اور حد سے نکل جانے کا نام ابلیسیت اور جہالت ہے۔

(۲) قوتِ غضب کے اعتدال کا نام شجاعت ہے۔ جس سے بردباری، تحمل، عفوو درگذر، صبر و وقار اور غصہ کو ضبط کرنے کی تائید ہوتی ہے۔ جبکہ قوت غضب کے حد سے بڑھنے کا نام تہوّر ہے جس کی بدولت جھولٹ بولنا، غصہ میں بھڑکنا، تکبر کرنا اور نخوت وخود پسندی کے اعمال مرغوب ہوتے ہیں۔ اگر قوتِ غضب حد اعتدال سے کم ہو جائے، تو انسان سے غیرت کا مادہ مفقود ہو جاتا ہے؛ اسے جبن کہتے ہیں۔ جس کی بدولت بے غیرتی و کاہلی و کم ہمتی، چھچھوراپن، نسوانیت، بزدلی اور ذلت ورسوائی کو گوارا کرنا لاحق ہو جاتا ہے۔

(۳) قوتِ شہوت کے اعتدال کا نام عفت ہے۔ جس کے نتیجے میں حیا اور پارسائی، رضا و قناعت، خوف خدا اور مخلوق کے ساتھ اچھا برتاؤ کرنے کی قوتیں پیدا ہوتی ہیں۔

قوت شہوانیہ حد اعتدال سے گذر جائے تو کسی بھی عفیف خاتون کی پاکدامنی کو داغدار کر سکتی ہے، اس کے نتیجے میں اس کی خواہش ہی یہی ہوتی ہے کہ

نو روز و نوبہار و مئے و دلبرے خوش است
بابر بہ عیش کوش کہ عالم دوبارہ نیست

قوتِ شہوت اگر حد اعتدال سے کم ہے تو ایسے لوگ نامرد و مخنث ہوتے ہیں اور انہیں زنانہ خصوصیات سے دلجمعی حاصل ہوتی ہے۔



Marfat.com

(۴) عقل کا اعتدال ذکاوت ہے۔ جس کے ثمرات فراست واصابت رائے، ناموس ولطافت کا تحفظ، حفظ مراتب، حدود شرعیہ کی حفاظت، عبدیت و عجز کا احساس، خدا شناسی اور اطاعت دین پیدا ہوتے ہیں۔ اگر قوتِ عقل میں کمی ہے، تو جہالت وضرر رساں و مضر رسوم و رواج کی پابندی پیدا ہوتی ہے۔ اگر قوتِ عقل بے لگام ہو تو مکاری، جعلسازی، فریب، دھوکہ دہی اور بے رحمی کی خصلتیں پیدا ہوتی ہیں۔

مندرجہ بالا تمہید کا تقاضا ہے کہ صوفی دانشور اپنے آپ کو حد اعتدال میں رکھے۔ لیکن تاریخ اور صوفیانہ روایات اور خود بڑے اکابر صوفیاء سے ایسے شطحات وارد ہوئے کہ عقل کے لیے ناقابل قبول اور شریعت کے لیے ناقابل برداشت ہوتے ہیں۔ ایسے حالات میں عوام الناس کو علمائے حق کی بات ماننی چاہیے۔

## کشف و کرامات

اگر کوئی شخص پانی پر تیرتا ہے یا ہوا میں اڑتا ہے تو اس کی دینی معاشرے میں کوئی اہمیت نہیں اگر یہ امور اسے شریعت سے غافل رکھیں۔ کیونکہ اگر یہی کسوٹی ہے تو پانی پر تو تنکا بھی تیرتا ہے اور ہوا میں تو مکھی بھی اڑتی ہے۔ لہٰذا راہ سلوک میں کشف و کرامات مہلک اور مثل زنجیر کے ہیں۔ کیونکہ ان کے ذریعے سے شیطان کو بہکانے کے کثرت سے مواقع ملتے ہیں۔ اصل کشف و کرامت، راہ شریعت پر گامزن رہنا ہے۔

## مبدائے تصوف

اس مقالے میں ہمارا مقصد تصوف کی ابتداء پر تحقیق کرنا نہیں ہے۔ لیکن ایک بات واضح ہونی چاہیے کہ تصوف کے تمام طریقوں میں مروج اشغالات ایک تہذیبی ماخذ ضرور رکھتے ہیں۔ برصغیر ہندوپاک کے صوفیاء پر ہندو یوگیوں کے افکار و اعمال کا گہرا اثر رہا ہے۔ اسی طرح مصر یا دیگر افریقی مسلم ممالک مثل: مراکش، لیبیا، تیونس، الجزائر وغیرہ کے صوفیاء پر وہاں کے قدیمی تہذیبی اثرات نمایاں ہیں۔ جن میں مسیحی اثرات نمایاں اہمیت کے حامل ہیں۔ موجودہ دور میں مختلف اشغالات مثل مراقبہ کرنے سے پہلے سانس کی مشقیں یا سُکھ آسن میں بیٹھنے کا طریقہ یا حبس دم یوگ کی ادنی مثالیں ہیں، جو کہ مختلف مسلم صوفیانہ



Marfat.com

طریقوں میں مروج ہیں۔ اس سے مقصود یہ ہے کہ ان کی سند کتاب وسنت پر مبنی نہیں ہے۔ ان کے بغیر بھی خشوع وخضوع حاصل ہو سکتا ہے۔ لیکن گر کوئی اسے اپناتا ہے تو مباح ہے۔

## کشف کا ظاہر کرنا

بہت سے صوفی دانشور ایسے اشغالات کرتے ہیں، جن سے انہیں عجیب و غریب حالات کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ ان حالات میں اگر کوئی کتاب و سنت پر نگاہ رکھے گا یا اس کا تمسک کسی متکلم، معقول مزاج عالم سے ہو گا اور جس کا اثر اس پر حاوی ہو تو، ایسے حالات میں وہ گمراہی سے بچ جائے گا۔ نہیں تو یا تو وہ ڈبہ پیر بن کر عوام الناس کو لوٹتا اور برباد کرتا رہے گا یا پھر مجذوب بن کر ننگ دھڑنگ کسی اسٹیشن کے کونے یا کسی درخت کے نیچے بیٹھ کر، اپنے والدین کے لیے سوہان روح بن جائے گا۔ اعوذ باالله من ذالک

کشف کو ظاہر کرنا ایسے ہے جیسے کوئی اپنی حجلہ عروسی کی داستان بیان کرتا پھرے۔ کشف راہ کی رکاوٹ ہیں۔ مطالعہ اور مشاہدہ کرنے والے کو کئی ایسے واقعات مل جائیں گے جو راقم کی تحریر کا ثبوت مہیا کریں گے۔

اسی طرح صوفیانہ واردات اور کشوف وغیرہ کو یونانی منطق وفلسفے کے لبادے میں بھی پیش کیا جاتا رہا ہے اور کتاب و سنت کی تاویل کر کے، ان اشکالات کو رفع کیا جاتا رہا ہے۔ لیکن، بصداق مرض بڑھتا گیا۔ جوں جوں دوا کی، مسائل اور پیچیدہ ہونے لگے اور کہا یہ گیا کہ یہ اعلیٰ اسرار و رموز ہیں، جنہیں بیان کرنے میں انسانی زبان عاجز ہے اور فہم ناقص ہے۔

اس میں کوئی شک نہیں ہے کہ ان علوم وافکار کو پیش کرنے والے اعلیٰ ذہن کے حامل لوگ تھے، لیکن پھر بھی انسان تھے اور انسان خطا ونسیان کا مرکب ہے اور ہم ان کے افکار و علوم کو اخذ کرنے کے شرعی طور پر مکلف بھی نہیں ہیں۔

بعض اوقات صوفی دانشور، خواص کی بات عوام کو بتاتے ہیں، جو ان کے فہم سے بعید ہوتی ہے اور ان کے حق میں مضر ہے۔

## صوفیانہ افکار وعلوم

صوفی دانشوروں کے وہ تمام مخطوطات جو کہ عملی اخلاق کی تعلیم دیتی ہیں، اس لائق ہیں کہ ان کی تعریف کی جائے اور اس پر عمل کیا جائے، لیکن اس کے علاوہ مختلف مخفی علوم،



Marfat.com

مثل، اسرار الحروف یا علم السحر ریمیا یا سیمیا وغیرہ یا کتاب و سنت کی باطنی تاویل و تفسیر یا ترغیب کی خاطر درجۂ اسناد سے گری ہوئی روایات کا قبول کرنا، کسی طرح بھی لائق تحسین نہیں ہے، اور ہر دور کے متکلم مزاج عالم نے اس پر ان کے گرفت کی ہے اور عوام الناس کی مدد کو وقت پر پہنچنے پر ہم انہیں سلام پیش کرتے ہیں۔

## ذکر و فکر کے حلقے

ہر صوفی دانشور، اپنے تہذیبی عوامل کو مد نظر رکھ کر، ایک طریقہ ذکر جاری کرتا ہے جو کہ اصلا مباح ہے، بشر طیکہ اس سے ھاؤ وھو کی کیفیت پیدا نہ ہو۔ بہت سے عامل اس کی آڑ میں شریعت کی پابندیوں سے اپنے آپ کو آزاد محسوس کرتے ہیں جو ان کی نفسانی خواہش کا شعوری اظہار ہوتی ہے۔ کتاب و سنت میں ذکر بڑی اہمیت رکھتا ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ افضل الذکر لا الہ الا اللہ ہے یا ایک جگہ فرمایا کہ "کلمتان خفیفتان علی اللسان و ثقیفتان فی المیزان یعنی دو کلمات ایسے ہیں کہ بولنے میں آسان ہیں لیکن وزن میں بھاری ہیں۔" اور وہ ہیں (۱) سبحان اللہ وبحمدہ (۲) سبحان اللہ العظیم۔ ذکر کی اہمیت مسلم معاشرے میں مسلم ہے۔

## تبلیغ اسلام میں تصوف کا حصہ

عام طور پر لوگوں کا کہنا ہے کہ متکلم و معقول مزاج عالم سے زیادہ تر اسلام کی تبلیغ صوفیائے کرام نے کی ہے۔ الحمد اللہ اچھی بات ہے۔ لیکن ایسا نہیں ہے اور اگر ایسا ہے تو اس کا نتیجہ ہمارے سامنے ہے کہ خانقاہ و مسجد میں فرق۔ محراب و جھنڈے میں فرق۔ کتاب و سنت و روایتی ملفوظات میں فرق ہے۔ اس کے نتیجے میں عوام الناس غلام بن کر رہ گئے ہیں بقول اقبال

زمن بر ملا و صوفی سلامے کہ پیغام خدا گفتند مارا
ولے تاویل ایشان حیرت انداخت خدا و جبریل و مصطفیٰ را

Marfat.com

## جاہل صوفی نہیں ہو سکتا

جاہل شخص اگر صوفیانہ اثرات کا حامل ہو تو اس کی قائم کردہ جماعت مسلمانوں کے لیے مفید ہونے کے بجائے مضر ہو گی۔

آخر میں عرض ہے کہ تصوف کے عملی اخلاقی پہلو کو لیا جا سکتا ہے اور وہی اصل ہیں باقی راسلامے۔ تمت بالخیر۔

***



Marfat.com

# حضرت ابو بکرؓ کی علمی خدمات

سکندر علی چنا
لیکچرر اسلامیات

"انسانی ذہن کی نشوونما کا ہمیشہ سے ایک ہی ذریعہ رہا ہے، اور وہ ہے علم۔ علم ہی انسان کو انسان ہونے کا احساس بخشتا ہے اور اسے انسان بناتا ہے۔ علم ہی اسے انفس و آفاق میں کارفرما اصولوں کی دریافت پر اکساتا ہے۔ علم ہی انسان کو، عظیم کائنات کے عظیم خالق کے وجود اور عظمت کے اعتراف کی منزل تک پہنچاتا ہے۔" (۱)

اب یہاں سوال پیدا ہوتا ہے کہ وہ کونسا ذریعہ علم ہے، جس کے اصولوں پر عمل پیرا ہو کر، ہم اپنی مطلوبہ منزل حاصل کر سکیں۔ علم کے مجموعی طور پر، دو ہی ذرائع ہیں۔ ایک کسبی اور دوسرا وھبی۔ کسبی علم، انسان اپنے حواس کے ذریعے حاصل کرتا ہے۔ لیکن مشاہدہ و تجربہ گواہ ہے کہ یہ ذریعہ علم انسان کو خود سر اور خود غرض بنانے میں کوئی کسر نہیں چھوڑتا۔ اقبال کے الفاظ ہیں۔

عقلِ خود بیں غافل از بہبودِ غیر
سودِ خود بیند نہ بیند سودِ غیر

علم کا دوسرا ذریعہ وہبی ہے، جس کی یقینی و حتمی صورت وحئ الہیٰ ہے۔ جو اللہ اپنے انبیاء کے توسط سے اولادِ آدم تک پہنچاتا ہے اور اس علم کا مقصد بنی نوع کی فلاح و بہبود ہوتا ہے۔ قرآن مجید نے، رسالت کے اس عظیم فریضے کو چند مختصر، مگر جامع انداز میں یوں بیان کیا ہے۔

یتلوعلیھم ایتہ ویزکیھم ویعلمھم الکتاب و الحکمۃ (۲)



Marfat.com

"وہ ان کے سامنے قوانین خداوندی پیش کرتا ہے، انہیں ان کی غرض و غایت کی تعلیم دیتا ہے اور پھر مسلسل و پیہم تربیت سے ان کے جوہر انسانیت کی نشوو نما کرتا ہے۔" نبی اکرم ﷺ معلم، مربی و مزکی تھے۔ آپ ﷺ کی عدیم النظیر تعلیم و تربیت سے صحابہؓ، شرف انسانیت کے پیکر بن گئے۔ آپ ﷺ کی تعلیم و تربیت سے، عرب کے منتشر قبائل ایک امت میں ضم ہو کر بنیان مرصوص بن گئے۔ اور پھر اس امت کے بطن سے شجاعت و بہادری کے اعلیٰ کردار بھی پیدا ہوئے تو سیاست و جہاں بانی کے بے مثال مدبرین نے بھی جنم لیا۔ ابو جہل دست نبوی ﷺ کی صورت گری کی سعادت سے محروم رہا، تو اس کی صلاحیتیں راکھ کا ڈھیر بن گئیں۔ وہ ناکامی کی زندگی گذار کر نامرادی کی موت مر گیا۔ ابو بکر صدیقؓ کو یہ سعادت نصیب ہو گئی، تو وہ نابغہ روزگار بن گئے۔

حضور ﷺ کی دنیا سے تشریف براری کے بعد، فریضہ نبوی اس امت کو نبھانا تھا اور اس فریضہ کو بشمول تمام صحابہؓ کے ابو بکر صدیقؓ نے، احسن طریقے سے سرانجام دیا۔ آپؓ نے اپنی خوبیوں سے دوسروں کے نقائص دور کیے۔ آپؓ کا عرصہ خلافت بڑا ہی مختصر ہے یعنی صرف سوا دو سال اور اس میں بھی زیادہ تر آپ کا وقت مختلف بدوی قبائل کی بغاوتوں اور شورشوں کو فرو کرنے میں صرف ہوا۔ لیکن پھر بھی اس مختصر سے عرصے میں، آپؓ نے جو علمی خدمات انجام دیں وہ بڑی وقیع اور مستحق تبریک و تحسین ہیں۔

یہاں ایک اور سوال پیدا ہوتا ہے کہ علمی خدمات سے مراد کیا ہے؟ میرا خیال ہے وہ تمام خدمات، علمی ہیں جو خلوص نیت سے، صرف رضائے الہیٰ کے لیے سرانجام دی جائیں۔ چاہے وہ خدمات مالی، ذہنی یا جسمانی ہوں۔ اس لیے کہ اسلامی تعلیم و تربیت کا مقصد حصول رضائے الہیٰ ہے۔ جیسا کہ قرآن مجید میں ارشاد ہوتا ہے کہ

"قل ان صلاتی ونسکی ومحیای ومماتی للہ رب العالمین" (۳)

"کہہ دے کہ میری نماز و قربانی اور میرا جینا مرنا جہانوں کے پالنہار اللہ کے لیے ہے۔"

حضور ﷺ نے فرمایا:

خیارھم فی الجاھلیۃ خیارھم فی الاسلام (۴)

"جو لوگ زمانہ جاہلیت میں بہتر تھے وہ حالت اسلام میں بھی بہتر ہیں۔"



Marfat.com

## ذاتی اور خاندانی کوائف

آپ قریش کے قبیلے تیم سے تعلق رکھتے تھے۔ آپ کا نسب، آٹھویں پشت میں مرہ پر جا کر حضور ﷺ سے ملتا ہے۔ اسلام لانے سے پہلے، آپ کا نام عبدالکعبہ تھا، جسے حضور ﷺ نے تبدیل کر کے، عبداللہ رکھا۔ آپ کے والد کا نام عثمان اور کنیت ابوقحافہ تھی، والدہ کا نام سلمیٰ اور کنیت ام الخیر تھی۔ آپ کو سرخ و سفید ہونے کی وجہ سے، عتیق بھی کہا جاتا تھا۔ معراج مصطفیٰ ﷺ کی سب سے پہلے تصدیق کرنے پر بارگاہ نبوی ﷺ سے "صدیق" لقب ملا۔ اونٹوں کے علاج میں مہارت کی وجہ سے ابوبکر کہلائے۔[۵] ۵۷۲ عیسوی میں آپ مکہ میں پیدا ہوئے۔[۶] ۶۱۰ میں آپ نے وفات پائی۔[۷] آپ کی دو بہنیں ام فروۃ اور ام قریبہ تھیں۔ آپ نے چار شادیاں کیں: قتلیہ، ام رومان، اسماء بنت عمیس اور حبیبہ۔ آپؓ کے تین بیٹے تھے: عبدالرحمان، عبداللہ، محمد، اور دو بیٹیاں تھیں: ام المومنین عائشہ صدیقہؓ اور اسماءؓ آپؓ کا پورا خاندان سعادت اسلام سے مشرف ہوا۔[۸] آپؓ مکہ کے معزز تاجر تھے، عہد جاہلیت میں بھی، رسومات بد سے مجتنب رہے۔ تمام زندگی حضور ﷺ کے ساتھ رہے۔ ہجرت کی اور تمام غزاوات میں حصہ لیا۔ ۴۰ ہزار درہم، اسلام کی اشاعت و غلاموں کے آزاد کرانے میں خرچ کئے، جھوٹے مدعین نبوت، مانعین زکواۃ و مرتدین کی سرکوبی کی اسلامی مملکت کو وسیع کیا۔

## آپ کا علمی مقام

روایت ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا کہ "مجھے دودھ کا بھرا ہوا ایک پیالہ عنایت کیا گیا۔ میں نے اتنا دودھ پیا کہ اچھی طرح سیر ہو گیا اور میں نے محسوس کیا کہ اس کے اثرات میرے گوشت و پوست میں بڑے تیزی سے دوڑ رہے ہیں۔ اس پیالے میں کچھ دودھ بچ رہا تھا۔ میں نے بچا ہوا دودھ ابوبکر کو دے دیا۔"

لوگوں نے عرض کیا "یا رسول اللہ! کیا اس سے مراد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کو علم بخشا اور آپ ﷺ نے اس سے خوب دامن بھرا اور اس میں کچھ بچا کر ابوبکر کو دے دیا۔" آنحضرت نے فرمایا "تم اصل حقیقت کو پہنچ گئے۔"[۹]



Marfat.com

## آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی علمی خدمات: تدوین قرآن

زمانہ نزول قرآن میں، عربوں میں کتابت کا رواج اتنا عام تھا کہ مسلمانوں کو حکم دیا گیا کہ:

اذا تدا ینتم بدین الی اجل مسمی فاکتبوہ [10]

"جب تم کسی مدت کے لیے قرض کا معاملہ کرو، تو اسے لکھ لیا کرو۔"

"مکہ میں بنو ہاشم میں جو خط رائج تھا اسے خط قیر اموز کہتے تھے" اس دور میں مندرجہ ذیل اشیاء لکھنے کے لیے استعمال کی جاتی تھیں:

(۱) کتف: اونٹ یا بکری کے شانے کی چوڑی ہڈی

(۲) قتب: پالان کی لکڑی کی تختیاں

(۳) عسیب: کھجور کے درخت سے ساختہ تختیاں اور

(۴) رق: چمڑے کے بنے ہوئے اوراق [11]

رق کا ذکر تو قرآن نے بھی کیا ہے۔ "کتاب مسطور فی رق منشور [12]

"پھیلی ہوئے رق پر لکھی ہوئی کتاب"

جمع قرآن کے سلسلے میں دو مؤقف پائے جاتے ہیں۔ ایک فریق کہتا ہے کہ قرآنی شہادت کے مطابق رحلتِ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے وقت حفاظ کے سینوں کے علاوہ قرآن، دفتین میں مرتب شدہ موجود تھا۔ جیسا کہ اس آیت سے واضح ہوتا ہے کہ

"انہ لقرآن کریم فی کتاب مکنون" [13]

"یہ باعزت قرآن ہے ایک محفوظ کتاب کے اندر۔"

"محفوظ کتاب سے مراد، وہ ماسٹر کاپی ہے، جو مسجد نبوی میں ایک ستون کے قریب جسے اسطوانہ کہتے تھے۔ ایک صندوق میں رکھی رہتی تھی جسے امام کہتے تھے۔ خلافت راشدہ میں، اس مستند کاپی کی نقلیں اتروا کر اس کی اشاعت کی گئی۔ [14] دوسرا فریق جو کہ اکثریت میں ہے کہتا ہے کہ بلاشبہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات تک، قرآن آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ہدایات ترتیب کے مطابق لکھا ہوا تھا، لیکن وہ ایک جگہ نہیں بلکہ مختلف صحابہؓ کے پاس، متنشر اجزا کی شکل میں موجود تھا۔ دسمبر ۶۳۲ء میں جنگ یمامہ میں ۱۲۰۰ سے زیادہ مسلمان شہید ہوئے اور کئی ہزار زخمی ہوئے۔ [15] ان میں اکثریت حفاظ کی تھی۔ حضرت عمرؓ کے مشورے پر، خلیفۂ اولؓ نے یہ کام کاتب وحی حضرت زید بن ثابتؓ کے سپرد کیا، جنہوں نے مختلف صحابہؓ سے



Marfat.com

متنشر اجزاء لے کر انتہائی تحقیق و تصدیق کے بعد، انہیں یکجا کیا اور خلیفہؓ کی خدمت میں پیش کیا۔ خلیفہؓ نے اس مجموعے کو "مصحف" کا نام دیا۔ خلیفہ اولؓ کی وفات کے بعد، یہ مصحف خلیفہ دومؓ کی تحویل میں رہا۔ ان کی شہادت کے بعد آپ کی وصیت کے مطابق ام المومنین حضرت حفصہؓ کی تحویل میں رہا۔ حضرت عثمانؓ نے اسی نسخہ کی نقلیں مختلف صوبوں میں بھیجیں تھیں۔" (۱۶) حضرت حفصہؓ کی وفات کے بعد، سن ۴۶ ہجری میں حاکم مدینہ مروان نے یہ نسخہ لے لیا۔ بعض کہتے ہیں ایک سفر کے دوران اس نے گم کر دیا، کچھ کہتے ہیں کہ اس نے ضائع کر دیا"(۱۷) ہمارا بھی موقف یہی ہے جو دوسرے فریق کا ہے۔ حضرت ابو بکرؓ کی علمی خدمات میں سے یہ خدمت بڑی اہم ہے۔

## حدیث

"متعدد احادیث ایسی ہیں، جو حضرت ابو بکرؓ کے سوال کے جواب میں ارشاد ہوئیں۔" (۱۸) حضرت عائشہؓ کی روایت کے مطابق، آپؓ کے پاس ۱۵۰۰ احادیث کا ایک مجموعہ تھا لیکن ایک دن آپؓ نے اسے جلادیا"(۱۹) "لیکن اس کے باوجود بھی ۱۴۲ مستند احادیث آپؓ سے مروی ہیں۔ جن میں نماز، قرآت، جنت و جہنم، حج، صدقات، خیرات، زکواۃ فقہی مسائل کا بیان ہے۔"(۲۰) "آپ نے ان احادیث کی اشاعت کا خاص اہتمام کیا، جن کا تعلق نصابِ زکواۃ اور مسائل ضروریہ سے تھا۔ روایت حدیث میں آپ نے تین اصول قائم کئے۔

(۱) راوی ثقہ اور مامون ہو اور اس پر کسی کا الزام نہ ہو

(۲) فاترالعقل کی روایت معتبر نہ ہو گی۔

(۳) خبر واحد اس وقت تک قبول نہ ہو گی، جب تک اس راوی کے لیے کوئی دوسرا شخص گواہ نہ ہو۔ (۲۱)

## فقہ

"طبرانی کی روایت ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا: "ہر چیز کا ستون ہے اور دین کا ستون فقہ ہے۔" (۲۲) فقہ کا تعلق چونکہ قانون سے ہے۔ حضرت ابو بکر صدیقؓ عہد جاہلیت میں بھی قریش کے معزز فقیہ تھے اور اشناق کا منصب آپ کے خاندان ہی کے سپرد تھا، یعنی



Marfat.com

یہ لوگ خون بہا اور تاوان کی رقوم معین کرتے تھے۔ [۲۳] آپ نے ہی سب سے پہلے اجتہاد کے اصول مقرر کئے۔ ایک واقعہ مروی ہے جس سے آپ کی فقہی بصیرت پر روشنی پڑتی ہے۔ روایت ہے کہ حضور ﷺ کے مرض الموت میں ایک بڑھیا کسی مسئلہ میں آپ کا فیصلہ لینے آئی۔ آپ ﷺ نے اسے پھر کبھی آنے کا لیے کہا۔ اس پر بڑھیا نے پوچھا اگر میں دوبارہ آؤں اور آپ ﷺ موجود نہ ہوں تو پھر کس کے پاس جاؤں؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ایسے حالات میں تم ابو بکرؓ کے پاس جانا۔ [۲۴]

آپ نے اپنے دور خلافت میں کئی ایسے مسائل، قرآنی حدود کے اندر رہتے ہوئے حل کئے جن کا کوئی حل قرآن و حدیث میں نہیں تھا۔ ان میں سے ایک مسئلہ وراثتِ جدة کا تھا۔ حضرت مغیرہ بن شعبہؓ نے بتایا کہ حضور ایک سدس یعنی ۱/۶ حصہ دلاتے تھے۔ محمد بن مسلمہؓ نے اس کی تصدیق کی اور آپ نے یہی حکم نافذ فرمایا [۲۵] زکواۃ کے سلسلے میں آپ کے فقہی اقدامات تو یادگار ہیں۔ زکواۃ اسلام کے معاشی نظام میں ریڑھ کی ہڈی کی حیثیت رکھتی ہے۔

رحلت رسول ﷺ کے بعد، مانعین زکواۃ نے کہا کہ ہم نماز تو پڑھیں گے لیکن زکواۃ نہیں دیں گے۔ "اسلامی فقہ کے لحاظ سے زکواۃ نہ دینے والا کافر ہے۔" [۲۶] لہٰذا آپ نے مانعین زکواۃ سے جنگ کی۔ اس سلسلے میں آپ کا فرمان صدقہ، تاریخ فقہ میں ایک یادگار حیثیت رکھتا ہے جو آپ نے تمام عمال کے نام جاری کیا۔ [۲۷] اس کے علاوہ آپ نے گستاخ رسول ﷺ کی سزا قتل مقرر کی۔ اس کے علاوہ بھی بہت سے فقہی مسائل ہیں، جو آپ نے حل کئے۔

## تفسیر

"ابن کثیر کہتے ہیں کہ حضرت صدیقؓ صحابہؓ میں سب زیادہ قرآن کا علم رکھتے تھے۔ اس لیے آپ کو حضور ﷺ نے نماز میں صحابہ ء کرام کا امام مقرر کیا تھا۔ رسول اکرم ﷺ کا ارشاد ہے کہ قوم کا امام، قرآن کا سب سے زیادہ علم رکھنے والا ہونا چاہیے۔ [۲۸] حضور ﷺ نے فرمایا: "جو وحی مجھ پر نازل کی گئی۔ میں نے اس کو ابو بکر کے سینے میں نچوڑ دیا" [۲۹]



Marfat.com

ہر چہ حق از بار گاہ کبریا ریخت در صدر شریف مصطفیٰ
آں ہم در سینہء صدیق ریخت لاجرم لابد از و تحقیق ریخت

(فریدالدین عطارؒ)

سب سے پہلی تفسیر آپ سے وہ منسوب کی جاتی ہے کہ جب حضور ﷺ رحلت فرما چکے تو حضرت عمرؓ جذبات سے مغلوب ہو کر کہا کہ "جو شخص کہے گا کہ رسول اللہ فوت ہو گئے ہیں تو میں تلوار سے اس کی گردن اڑادوں گا۔ آپ ہر گز فوت نہیں ہوئے، بلکہ اپنے رب کے حضور تشریف لے گئے ہیں۔ اسی طرح جس طرح حضرت موسیٰ تشریف لے گئے تھے اور چالیس دن بعد واپس آ گئے تھے۔ حضور بھی یقیناً واپس آئیں گے اور منافقین کے ہاتھ کاٹیں گے۔ اس وقت حضرت ابو بکر صدیقؓ تشریف لائے اور فرمایا۔

"یاایھاالناس امن کان یعبد محمدا فان محمد اقدمات ومن کان یعبد اللہ فان اللہ حی لایموت"

اس کے بعد قرآن کی یہ آیت تلاوت فرمائی۔

وما محمد الارسول قدخلت من قبلہ الرسل افأن مات او قتل انقلبتم علیٰ اعقابکم (۳۰)

تو صحابہؓ کی یہ حالت ہوئی کہ چیخ چیخ کر رونے لگے اور ان کو حضور ﷺ کی وفات کا یقین ہو گیا۔ تو آپ کا تفسیر قرآن کا یہ انداز تھا۔ کتب تفاسیر میں آپ سے مروی مختلف آیات کی تفسیر ملتی ہے جن میں کلالہ، اور استقاموا وغیرہ ہیں۔

## تصوف

کہا جاتا ہے کہ تزکیہ نفس کے لیے، کلمہ طیبہ بطور ذکر سب سے پہلے آپ نے تلقین کیا۔ سلسلہ نقشبندیہ سلمان فارسی کے واسطے سے آپ کی طرف منسوب ہے۔ (۳۱) داتا گنج بخش نے آپ کو اپنی کتاب "کشف المحجوب" میں صوفیا کا امام لکھا ہے۔ (۳۲)

## علم ایّام العرب اور علم الانساب

ایّام العرب سے مراد، عرب قبائل کی باہمی جنگوں کی تاریخ ہے۔ اور علم الانساب سے مراد قبائل کا نام و نسب یاد رکھنا تھا۔ یہ دونوں علوم قدیم زمانہ کی تاریخ کا علم تھا۔ ان دونوں علوم کا سرچشمہ، دور جاہلیت کی شاعری تھی۔ اور اسی شاعری کی بنیاد پر، موجودہ دور کے مورخین نے دور جاہلیت کے عربوں کی تاریخ اور عربی زبان کی مستند لغات لکھی ہیں۔ ان علوم کے ماہرین کو، عرب قبائل میں بڑی عزت و احترام حاصل ہوتا تھا "اور یہ سلسلہ عہد اسلام میں بھی جاری رہا، جس سے فن اسمائے رجال کے ماہرین کو بڑا فائدہ پہنچا" [۳۳] ابو بکرؓ عرب کے بالعموم اور قریش کے بالخصوص نسب ناموں سے واقف تھے۔ [۳۴] نساب کا کام یہ ہوتا تھا کہ وہ فروع کو اصول سے ملاتا تھا اور ان لوگوں کو اس قبیلہ کے نسب سے خارج کر دیتا تھا جو اس قبیلہ سے نہیں ہوتے تھے۔

"حضرت علیؓ فرماتے ہیں کہ ہم ایک مجلس میں پہنچے۔ ابو بکرؓ آگے بڑھے، آدمی ماہر انساب تھے، لوگوں سے پوچھا حاضرین کا تعلق کس قبیلے سے ہے؟ لوگوں نے کہا "ربیعہ سے" فرمایا کس ربیعہ سے؟ ھامات ربیعہ سے یا لھازم ربیعہ سے؟" لوگوں نے کہا "ربیعہ کے ھامہ عظمیٰ سے" فرمایا کونسا ہامہ عظمیٰ؟ لوگوں نے جواب دیا "ذھل اکبر" فرمایا کیا تم میں سے عوف بن محلمہ تھا، جس کے متعلق مشہور ہے کہ عوف کی وادی میں کوئی شخص آزاد نہیں رہا؟ لوگوں نے جواب دیا نہیں۔ فرمایا تمہیں میں مزدلف آزاد گزرا ہے جس کا عمامہ ہر ایک سے مختلف ہوا کرتا تھا، لوگوں نے کہا نہیں۔ فرمایا: کیا تمہیں میں سے بسطامہ بن قیس گذرا ہے، جو بابائے ظیافت اور ماورائے افلاس کے لقب سے مشہور ہے؟ لوگوں نے کہا نہیں۔ فرمایا کیا تمہیں میں سے جساس بن مرہ گذرا ہے، جو عہد و پیماں کا محافظ اور پڑوسی کا نگہبان تھا؟ لوگوں نے کہا نہیں۔ فرمایا کیا تمہیں میں سے حوفرنام کے وہ انسان گذرے ہیں جو بادشاہوں کو قتل کیا کرتے تھے اور ان کو لوٹا کرتے تھے؟ لوگوں نے کہا نہیں۔ فرمایا کیا تمہیں میں وہ لوگ گذرے ہیں، جن کے لخمی بادشاہوں سے رشتے ناطے تھے، لوگوں نے کہا نہیں۔ فرمایا پھر تم ذہل اکبر سے نہیں، ذہل اصغر سے ہو۔ آپ غور کیجئے کہ کتنی وسیع



Marfat.com

معلومات تھیں آپ کو، عرب قبائل کے انساب کے متعلق۔ یہی وجہ ہے کہ جب مسلم شعراء مشرکین کی ہجو کرتے تو وہ کہتے، کہ یہ ابن ابی قحافہ کی کارستانی ہے۔(۳۵)

## علم تعبیر رؤیا

تعبیر رؤیا کو علوم نبوت میں شمار کیا جاتا ہے۔ موجودہ دور کے ماہرین نفسیات، خوابوں کے بارے میں متضاد نظریات رکھتے ہیں۔ اکثریت نے اسے واہمہ سے زیادہ کوئی حیثیت نہیں دی ہے۔ اس لیے کہ اس علم کے لیے جس روحانی بصیرت کی ضرورت ہے اس سے ان کی اکثریت عاری ہے۔ علامہ محمد ابن سیرینؒ، اس فن کے بڑے ماہر تھے۔ آپ کی تعبیر رؤیا پر مشتمل ایک ذخیم عربی کتاب کا سندھی ترجمہ سندھ یونیورسٹی کے محترم پروفیسر غلام حسین جلبانی نے کیا ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ حضور ﷺ بھی بعض اوقات اپنے خوابوں کے تعبیر ابو بکر صدیقؓ سے پوچھتے تھے۔(۳۶) غزوہ طائف (۸ ھجری) کے موقع پر آپ ﷺ نے خواب دیکھا کہ ایک بھرا ہوا پیالا آپ ﷺ کو دیا گیا، لیکن مرغ نے اس میں ٹھونگ مار کر وہ چیز گرادی۔ ابو بکرؓ نے اس کی تعبیر میں کہا کہ طائف کے محاصرے میں کامیابی نہیں ہوگی۔ آپ ﷺ نے فرمایا ہاں، میرا بھی یہی خیال ہے۔ چنانچہ طائف کا محاصر اٹھالیا گیا"۔(۳۷)

"ایک شخص نے آپؓ سے خواب بیان کیا کہ میں نے دیکھا کہ مجھے پیشاب کے ذریعے خون آرہا ہے۔ آپؓ نے اس سے کہا اللہ تم پر رحم کرے! اس سے معلوم ہوتا ہے کہ تم حیض کی حالت میں بھی اپنی بیوی سے ملتے ہو۔ توبہ کرو اور آئندہ ایسا نہ کرنا۔(۳۸)

## شاعری

اہل عرب کا بہترین ذخیرہ علم و فن شاعری ہے۔ آپؓ کی شعر گوئی پر مورخین میں تضاد ہے۔ ابن رشیق نے "کتاب العمدہ" میں، ابن سعدؒ نے "طبقات" میں، ابن ھشام نے "السیرت النبویہ" میں اور امام سہیلی نے "روض الانف" میں آپ سے منسوب کردہ وہ قصائد بیان کئے ہیں، جو آپؓ نے حضور ﷺ کی وفات پر کہے تھے۔ مثلاً

یاعین فابکی ولا تسامی — وحق البکاء علی السید(۳۹)

آپ سے ایک اور لمبی مناجات بھی منسوب ہے، جو کچھ اس طرح شروع ہوتی ہے۔



Marfat.com

خذ بالطفك یا الھی من لہ زاد قلیل
مفلس بالصدق یاتی عند بابک یا جلیل

ڈاکٹر امین اللہ وثیر نے "اشعار ابی بکر صدیقؓ" کے نام سے، آپؓ سے منسوب کردہ ۲۵ قصائد کا ایک مجموعہ سن ۱۳۹۶ ہجری میں لاہور سے شایع کیا تھا۔ [۴۰] افسوس! کہ ہماری اس مجموعہ تک رسائی نہ ہو سکی۔ ابن عساکر نے حضرت عائشہ صدیقہؓ سے روایت کی ہے کہ "خدا کی قسم! والد ماجد حضرت ابو بکرؓ نے نہ زمانہ جاہلیت میں کبھی کوئی شعر کہا اور نہ عہد اسلام میں۔ [۴۱] اس روایت سے آپ کی شعر گوئی کی مکمل نفی ہوتی ہے۔ لیکن تاریخی واقعات اس کی شہادت دیتے ہیں کہ آپ کو شاعری سے دلچسپی ضرور تھی۔ آپ دوران کلام کثرت سے شعر پڑھتے تھے۔ [۴۲]

یہاں یہ اعتراض ہو سکتا ہے کہ قرآن تو شعرا کی نفی کرتا ہے اور آپ کا اس میں دلچسپی لینا یہ کیسے ہو سکتا ہے! لیکن یہاں بات یہ ہے کہ کیا جو بات نثر میں اچھی ہو اور وہی بات اگر شعر میں دہرائی جائے تو اس میں کیا قباحت ہے۔ اس میں موزوں انداز بیان کی نفی نہیں کی گئی ہے۔ حضور ﷺ خود حسان بن ثابتؓ سے فرمائش کرتے تھے کہ شعر سناؤ۔ حضور ﷺ کا ذوق شعر و ادب بڑا بلند تھا۔ ایک مرتبہ مشہور شاعر عنترہ کا یہ شعر حضور ﷺ کے سامنے پڑھا گیا۔

ولقد ابیت علی الطویٰ اظلہ حتیٰ انال بہ کرم الماکل

"میں نے بہت سی راتیں محنت و مشقت میں بسر کی ہیں تاکہ اکل حلال کے قابل ہو سکوں"

تو آپ ﷺ سن کر بڑے محظوظ ہوئے اور فرمایا کہ "کسی معروف عرب کی ملاقات کا شوق میرے دل میں کبھی پیدا نہیں ہوا۔ لیکن میں سچ کہتا ہوں کہ جس نے یہ شعر کہا ہے اسے دیکھنے کو دل بے اختیار چاہتا ہے۔" امراء القیس، عرب کا نامور شاعر تھا لیکن اس کے متعلق آپ ﷺ نے فرمایا۔

"الشعر الشعرا، وقائدھم الی النار" "وہ شعرا کا سرتاج بھی ہے اور ان کے جہنم کی طرف جانے والے قافلے کا سالار بھی"۔



Marfat.com

حضرت ابو بکرؓ صحبت رسول ﷺ کے فیض یافتہ تھے، آپؓ کا ذوق شعر بھی ایسا ہی تھا۔ آپ ایسے اشعار پسند کرتے تھے جو حقائق کے آئینہ دار ہوتے۔ اقبال کے الفاظ میں۔

وہ شعر کہ پیغام حیات ابدی ہے — یا نغمہ جبریل ہے، یا بانگ سرافیل
اگر نوا میں ہے پوشیدہ موت کا پیغام — حرام میری نگاہوں میں نائے و چنگ ورباب

## حواشی

(۱) علم کے نئے افق۔ سی ایم جوڈ۔ ص تعارف

(۲) سورۃ العہ آیت: ۲

(۳) سورۃ الانعام آیت نمبر:۱۶۳

(۴) شاہکار رسالت۔ غلام احمد پرویز۔ ص۔ ا

(۵) ابو بکر صدیق۔ محمد حسین ہیکل۔ ص۔ ۲۸۔ ۲۴

(۶) صدیق اکبر۔ پروفیسر مسعود الحسن۔ ص۔ ۸۳۔ ۲۳۷

(۷) ابو بکر صدیق محمد حسین ہیکل۔ ص۶۳۸

(۸) صدیق اکبر۔ پروفیسر مسعود الحسن۔ ص۔ ۸۶۔ ۱۸۲

(۹) صدیق کامل۔ عباس محمود العقاد ص۔ ا۷

(۱۰) سورۃ بقر آیت: ۲۸۲

(۱۱) انتخاب تاریخ القرآن۔ عبد الصمد صارم۔ ص۔ ۱۹۔ ۱۷

(۱۲) سورۃ النور آیت نمبر ۲۔ ۳ (۱۳) سورۃ الواقعہ آیت ۷۷۔ ۸۷ (۱۴) مذاہب عالم کی آسمانی کتابیں۔ غلام احمد پرویز ص۔ ۱۹۔ ۲۱۳

(۱۵) حضرت ابو بکر کے سرکاری خطوط۔ خورشید احمد فارق۔ ص ۲۶

(۱۶) سیرت خلیفۃ الرسول۔ طالب ہاشمی ص ۲۰۰۔ ۲۹۰

(۱۷) خلفاء راشدین۔ معین الدین احمد ندوی ص ۲۸

(۱۸) سیرت الصدیق۔ محمد حبیب الرحمان شیروانی ص ۱۱۷

(۱۹) صدیق اکبر۔ پروفیسر مسعود الحسن ص ۱۹۲

(۲۰) تاریخ الخلفا۔ جلال الدین سیوطی ص ۱۶۲۔ ۱۵۴

(۲۱) سیرت خلیفۃ الرسول۔ طالب ہاشمی ص ۲۰۸،

(۲۲) انتخاب تاریخ الفقہ۔ عبد الصمد صارم ۷

(۲۳) اردو معارف اسلامیہ جلد اول ص ۲۵۰

(۲۴) صدیق اکبر۔ پروفیسر مسعود الحسن ۱۹۰

(۲۵) صدیق اکبر سعید احمد اکبر آبادی۔ ص ۲۸۶

(۲۶) فقہ الزکواۃ حصہ اول۔ ڈاکٹر یوسف القرضاوی ص ۱۱۹۔ ۱۱۰

(۲۷) سیرت خلیفۃ الرسول۔ طالب ہاشمی ص ۲۳۔ ۲۲۲

(۲۸) تاریخ الخلفا۔ جلال الدین سیوطی ص ۱۰۵

(۲۹) سرت خلیفۃ الرسول۔ طالب ہاشمی۔ ص۔ ۲۰۲

(۳۰) سورۃ ال عمران آیت نمبر ۱۲۲

(۳۱) سیرت خلیفۃ الرسول۔ طالب ہاشمی۔ ۲۳۔ ۲۴۴

(۳۲) صدیق اکبر۔ پروفیسر مسعود الحسن۔ ص ۱۹۷

(۳۳) سرور کونین کی فصاحت۔ شمس بریلوی۔ ص ۲۵

(۳۴) ابو بکر بحیثیت صدیق اکبر۔ P.h.D مقالہ۔ ڈاکٹر حافظ عبد الرحمان،۔ ص

(۳۵) صدیق کامل۔ عباس محمود العقاد۔ ص۔ ۲۷۶۔ ۲۷۷

(۳۶) تاریخ الخلفا۔ علامہ جلال الدین سیوطی ۱۷۸،

(۳۷) سیرت خلیفۃ الرسول۔ طالب ہاشمی۔ ص ۲۳۱

(۳۸) صدیق اکبر۔ پروفیسر مسعود الحسن۔ ص ۲۰۳ (۳۹) شاعر صحابہ۔ نصرت علی شیر۔ ص ۱۵۰

(۴۰) سیرت خلیفۃ الرسول۔ طالب ہاشمی ص ۲۳۶

(۴۱) تاریخ الخلفا۔ علامہ جلال الدین سیوطی ص ۹۵

(۴۲) صدیق کامل۔ عباس محمود العقاد۔ ص۔ ۱۰۳

***



Marfat.com

# امام ابنِ ماجہؒ کے احوالِ زیست

عبدالوھاب منگریو
اسسٹنٹ پروفیسر اسلامیات

## نام و نسب

حافظ ابو عبداللہ محمّد بن یزید عبداللہ ابنِ ماجہ العربی القزوینی۔

## ولادت و خاندانی پس منظر

آپ 209ھ، بمطابق 824ع کو ایران کے مشہور شہر قزوین میں پیدا ہوئے۔ یہ علاقہ ایران کے صوبہ آذربائیجان میں واقع ہے، محمّد بن طاہر نے ان کے ایک صاحب زادے عبداللہ اور دو بھائیوں ابوبکر اور ابو عبداللہ کے ناموں کا تذکرہ کیا ہے۔

## تحصیلِ علم کے لیے سفر

دستورِ عام کے مطابق ابتدائی تعلیم اپنے وطن ہی میں حاصل کی۔ 230ھ میں علم کی تلاش میں متعدد ممالک اور شہروں کا سفر اختیار کیا، جن میں خراسان، عراق، حجاز، مصر، شام، بصرہ، کوفہ، مکہ، بغداد، مدینہ، طہران، اصفہان، اہواز، ایلہ، بلخ، بیت المقدس، حران، دمشق، عقلان اور نیشاپور شامل ہیں۔

## اساتذہء کرام

بعض راویوں سے معلوم ہوتا ہے کہ امام ابنِ ماجہ نے تین سو سے زائد شیوخ سے استفادہ کیا تھا، چند مشہور نام یہ ہیں: ابراہیم بن منذر، ابوبکر بن ابی

Marfat.com

شیبہ، جبارہ بن مغلس، داود بن رشید، سہل بن اسحاق، عبداللہ بن محمدؒ معروف، عبداللہ بن معاویہ، علی بن حسن، علی بن حسین، علی بن سعید، محمد بن عبداللہ، ابو جعفر محمدؒ بن ہارون، ہشام بن عمار، عبّاس عبدالعظیم، عبداللہ بن عامر، ابو خیثمہ زہیر بن حرب، عثمان بن ابی شیبہ، یحیٰ بن حکیم، ابو کریب، ہناد، احمد بن بدیل، طحان، بندار، ابوثور، ذہلی، الاحوص احمدؒ بن سنان، ابو زرعہ اور دارمی وغیرہ۔

## تلامذہ

آپ کے تلامذہ کی فہرست طویل ہے۔ چنانچہ چند یہ ہیں: ابراہیم بن دینار، احمدؒ بن ابراہیم، ابو طیب احمد بن روح شعرانی، احمد بن محمدؒ، اسحاق بن محمدؒ، جعفر بن ادریس، ابوبکر حامد البہری، حسین بن علی، سعدون، سلیمان بن یزید، ابوالحسن علی ابراہیم، علی بن سعید، محمدؒ بن عیسیٰ وغیرہ۔

## مسلک

آپ مسلک کے اعتبار سے بعض علما کے نزدیک فقہ حنبلی کے پیرو تھے اور بعض کہتے ہیں کہ شافعی مسلک سے وابستگی تھی۔

## حدیث میں امتیاز و کمال

امام ابنِ ماجہؒ نے شعور کو پہنچتے ہی حدیث کی درس و تدریس اور تصنیف و تالیف کا سلسلہ شروع کیا تھا، چنانچہ آپ کی دلچسپی مزید بڑھی اور اس وقت کے اکابرین، حفاظ و محدثین کی کثرت کے باوجود، انہوں نے اس فن میں اتنا امتیاز حاصل کرلیا کہ ان کی علمی و عملی قابلیت کی وجہ سے، ان کی عظمت و برتری کو تسلیم کرنے پر، ائمہء فن مجبور ہوگئے۔ اس بات کا اندازہ درج ذیل تاثرات سے لگایا جا سکتا ہے۔

حافظ ابو یحیٰ خلیلی فرماتے ہیں: ”وہ ایک بلند پایہ اور معتبر محدث تھے، چنانچہ وہ ان کی عظمت کے قائل ہیں۔ وہ فنِ حدیث سے پوری واقفیت رکھتے تھے۔ وہ

جلیل القدر حافظ بھی تھے"۔

ابوالقاسم رافعی فرماتے ہیں کہ: "ائمہء مسلمین میں ابنِ ماجہ ایک معتبر امام ہیں"۔

علّامہ ابنِ جوزی فرماتے ہیں کہ "وہ حدیث، تاریخ اور تفسیر کے ممتاز ماہر تھے"۔

علّامہ ابن خلکان رقم طراز ہیں کہ "وہ فنِ حدیث کے امام اور اِس کے متعلقات پر بڑا عبور رکھتے ہیں"۔

علامہ ذہبی کا بیان ہے کہ "ابنِ ماجہ عظیم الشان حافظ، صادق القول اور وسیع العلم تھے"۔

علامہ ابن الاثیر بتاتے ہیں کہ "وہ ذی عقل، صاحبِ علم اور امام حدیث تھے"۔

جمال الدین تعزی فرماتے ہیں کہ "وہ حافظِ حجت اور نافذِ حدیث تھے، اِن کو متعدد فنون میں مہارت حاصل تھی"۔

ناصرالدین فرماتے ہیں کہ "مشہور علمائے اسلام میں ابنِ ماجہ بھی شامل ہیں۔ وہ احادیث کے حافظ اور اِس کے نہایت معتبر اور بلند پایہ شخص تھے"۔

ان تمام تاثرات سے آپ کی علمی حیثیت کا ثبوت ملتا ہے۔

## تصانیف

آپ کی تین تصانیف یادگار ہیں۔

تفسیر: یہ تصنیف اب نایاب ہے، اس میں احادیث اور آثارِ صحابہ و تابعین کو اسناد کے ساتھ نقل کیا گیا تھا۔

## تاریخ

یہ عصرِ صحابہ سے لیکر عصرِ مصنف تک کی تاریخ اور بلادِ اسلامیہ اور راویانِ احادیث کے حالات پر مشتمل ہے۔



Marfat.com

## سنن ابنِ ماجہ

یہ آپ کا سب سے بڑا علمی کارنامہ ہے۔

## وصال

22 رمضان المبارک، 273ھ، پیر کے دن انتقال ہوا۔ منگل کے روز دفن کیا گیا، آپ کے بھائی ابو بکر نے نماز جنازہ پڑھائی اور آپ کے صاحب زادے اور دو بھائیوں نے قبر میں اُتارا، لوگوں نے اشعار اور مرثیے پڑھے۔ اِس سے پتہ چلتا ہے کہ وہ محبوب اور ہر دل عزیز شخصیت تھے۔

## کتاب سنن ابنِ ماجہ کے متعلق عمومی معلومات

امام ابنِ ماجہ کا سب سے بڑا علمی اور تحقیقی کارنامہ، اِن کی ممتاز اور شہرہء آفاق تصنیف ''سنن'' ہے، آپ کی تصنیفی یادگاروں میں ایک اہم یادگار، بڑی شہرت کی حامل اور متداول کتاب سمجھی جاتی ہے۔ یہ کتاب اکثر مدارس کے نصاب میں شامل ہے اور کئی ادوار سے پڑھائی جا رہی ہے۔

پانچویں صدی کے آخر میں اِس کتاب کو صحاحِ ستّہ میں شامل کیا گیا۔ اِس میں چار ہزار تین سو اکتالیس احادیث ہیں، جن میں سے تین ہزار تین احادیث میں پانچ کتب ایک ہزار تین سو انتالیس احادیث، دیگر کتب میں شامل ہیں۔ ان میں سوائے چند کے باقی تمام احادیث صحیح یا حَسن ہیں۔

سنن کی کتابوں میں سب سے زیادہ، اِس کتاب پر حواشی اور شروح کا کام ہوا ہے۔

اس کتاب میں فقہی ترتیب سے احادیث تحریر کی گئی ہیں۔

اِس میں احادیث کی تشریحات اور توضیحات بھی موجود ہیں۔ بعض احادیث کے متعلق تو یہ بھی بتایا گیا ہے کہ ''یہ فلاں شہر والوں کی حدیث ہے''۔

اس کتاب میں کوئی حدیث مکرّر نہیں آئی: بقول رافعی



Marfat.com

ابنِ ماجہ جن تلامذہ نے سنن کی روایت کی ہے، اِن میں چار اشخاص [illegible] ابواب مشہور ہیں، وہ درج ذیل ہیں۔

ابو الحسن قطان، سلیمان بن یزید، ابو جعفر محمد بن عیسیٰ، ا[illegible] حامد ابہری، نیز حافظ ابنِ حجر کے نزدیک سعدون اور ابراہیم بن دینار ہیں۔

حافظ ابنِ حجر تحریر کرتے ہیں کہ ”سننِ ابنِ ماجہ کی چند ضعیف احادیث کے سوا بہتر اور عمدہ ہیں“۔

ابنِ ماجہ میں کتبِ خمسہ کے مقابل ضعیف روایات زیادہ ہیں۔ شاہ عبدالحق فرماتے ہیں: ”ان چاروں کتب (ترمذی، ابو داؤد، نسائی اور ابنِ ماجہ) میں حدیث کی جملہ اقسام یعنی صحیح، حسن اور ضعیف، ہر قسم کی روایات پائی جاتی ہیں“۔ اِن کو صحاح کا نام علی وجہ التغلیب نے دیا تھا۔

نیز حافظ ابنِ حجر فرماتے ہیں: ”ابنِ ماجہ کی وہ سب روایات ضعیف ہیں، جن میں ائمہءخمسہ سے متفرد ہیں“۔

اس کتاب کے متعدد زبانوں میں تراجم ہو چکے ہیں اور شرحیں بھی لکھی جا چکی ہیں، چنانچہ چند کے نام دیئے جاتے ہیں:

۱۔ مصباح الزّجاجۃ۔ جلال الدین السیوطی

۲۔ ماالتمس الیہ الحاجۃ لمن یطالع سنن ابنِ ماجہ
العلامہ محمد بن عبدالرشید النعمانی۔

۳۔ ابنِ ماجہ وستہ الشیخ محمّد فواد عبدالباقی

۴۔ شروط الائمۃ الستہ الحافظ ابی الفضل محمّد بن
ظاہر المقتدی۔

اس کتاب کو کئی اداروں نے شایع کروایا اور کرتے رہتے ہیں۔

## اسلوبِ بیان

عوام اور خواص میں اِس کتاب کی مقبولیت کا بڑا سبب، اِس کا اسلوبِ بیان اور روایت کا حسنِ انتخاب ہے۔



Marfat.com

سنن — اِس کتاب میں فقہی ترتیب سے احادیث شامل کی گئی ہیں، جن کی وجہ سے جو فقہ کے حوالے سے متلاشی ہو، اسے آسانی ہوتی ہے۔اِس میں بہت ساری ایسی احادیث شامل ہیں، جو باقی کتبِ خمسہ میں شامل نہیں اور انہیں ایک خاص پیرایہ میں بیان کیا ہے۔ اِس میں احادیث کی تشریحات اور توضیحات بھی موجود ہیں۔ اِس کتاب میں زیادہ احادیث مسائل اور احکامات پر مشتمل ہیں۔ اگر کسی شخص کو، کسی حدیث کے متعلق، کوئی شک و شبہ، تشویش و اضطراب ہو تو ان کی کتب سے استفادہ کرسکتے ہیں۔

اگر کوئی خاص روایت کسی خاص محدث اور خاص شہر سے متعلق ہو تو، ابنِ ماجہ، اِس کے متعلق بھی بتادیتے ہیں کہ اِس کا تعلق فلاں شہر سے ہے۔

امام ابنِ ماجہ رواۃ سے روایت کرتے وقت، اپنی شرائط میں وسیع النظر ہیں، اِس لیے وہ ہر قسم کے راویوں سے روایت لے لیتے ہیں، چنانچہ اِس کا بنیادی سبب یہی ہے کہ وہ اپنی سنن میں ایسی روایات لانا چاہتے ہیں، جو دوسری کتب میں موجود نہیں۔

## اہمیت

اگرچہ اِس کتاب کو صحاحِ ستہ میں سب سے آخر میں شمار کیا جاتا ہے، تاہم ہر دور میں اِس کتاب کی پذیرائی ہوئی۔اِس کتاب کی افادیت اور مقبولیت کا اندازہ اس بات سے لگایا جاسکتاہے کہ اس کی تصنیف کے بعد حافظ ابو زرعہ کی خدمت میں، اسے پیش کیاگیا، تو وہ اسے دیکھ کر بے ساختہ کہہ اٹھے کہ: "اگر یہ کتاب لوگوں کے ہاتھوں میں پہنچ گئی تو اس دور کی اکثر جوامع اور مصنفات بے کار ہوکر رہ جائیں گی"، چنانچہ آپ کی یہ بات درست ثابت ہوئی کہ، اِس کتاب کو اتنا فروغ ملا اور مقبولیت حاصل ہوئی۔

حافظ ابنِ کثیر کا بیان ہے کہ "سنن ابنِ ماجہ سے علمی بحر اور کثرتِ معلومات کا پتہ چلتا ہے۔"



Marfat.com

حافظ ابن حجر فرماتے ہیں "یہ نہایت جامع وحید کتاب ہے۔یہ بے شمار ابواب اور غرائب پر مشتمل ہے۔"

رافعی فرماتے ہیں "محدّثین نے اِس کو صحیحین اور سنن ابی داؤد و سنن نسائی کے ساتھ شامل کیا ہے اور اِس کے مرویّات کو حجۃ قرار دیا ہے۔

شاہ عبدالحق فرماتے ہیں: اگر کسی شخص کو بہت زیادہ متون مشتمل کتاب کی تلاش ہو تو، اِسے سنن ابنِ ماجہ کی کتاب کا مطالعہ کرنا چاہیے۔اس وصف میں وہ دوسری کتبِ احادیث سے منفرد و ممتاز ہے۔

حسنِ ترتیب و تبویب کے لحاظ سے اِس کو امتیاز حاصل ہے، احادیثِ ابواب میں تکرار، اختصار کے ساتھ ہیں، اختصار کے باوجود یہ کتاب جامع ہے، اس میں زیادہ مسائل و احکام اور معلومات موجود ہیں۔اِس کتاب کی بنیادی اہمیت یہ بھی ہے کہ اسے صحاحِ ستّہ میں شامل کیا گیا ہے اور اِس کے متعلق مختلف اقوال شامل ہیں۔

حافظ ابو الفضل محمد بن طاہر مقدسی (۵۰۷ھ) نے اپنے کتاب الائمۃ الستّہ میں ابنِ ماجہ کی شروط سے بحث کی ہے۔اِس کو بنیادی کتابوں کے ساتھ لاحق کرکے صحاحِ ستّہ کی اصل چھ کتابوں میں شامل کیا گیا ہے۔

علامہ ابوالحسن سندھی لکھتے ہیں "متاخرین کا عندیہ ہے کہ یہ چھ میں سے چھٹی ہے"

بیثارقہ ابنِ ماجہ کو صحاحِ ستّہ میں شامل کرتے ہیں۔متاخرین بھی صحاحِ ستّہ میں ابنِ ماجہ کو شامل کرتے ہیں۔اِن کے علاوہ علامہ ابنِ خلکان لکھتے ہیں کہ "صحاحِ ستّہ کی ایک کتاب سنن ابنِ ماجہ بھی ہے"۔

ابنِ عمار نے بھی علامہ ابن خلکان کے قول کو نقل کیا ہے۔علامہ ابنِ کثیر فرماتے ہیں کہ "ابنِ ماجہ اُس سنن کے مصنف ہیں، جو صحاحِ ستّہ میں شامل ہے۔"

ابوالقاسم رافعی کہتے ہیں؛ "محدثین نے سنن ابی ماجہ کو صحیحین اور سنن ابی داؤد و سنن نسائی کے ساتھ شامل کیا ہے۔شاہ عبدالعزیزؒ فرماتے ہیں کہ "ابنِ ماجہ



Marfat.com

نفع بخش کتابوں کے مصنف ہیں، اِن میں یہ سنن بھی ہے، جو صحاحِ ستہ میں شامل ہے۔"

حافظ سخاروی کہتے ہیں علما نے سنن ابنِ ماجہ کو موطا پر اس لیے مقدم اور صحاح میں شامل کیا ہے کہ اِس میں کتبِ خمسہ سے زیادہ روایات ہیں۔

صاحب مراۃ الجنان لکھتے ہیں ان کی کتاب اِن چھ کتابوں میں سے ایک ہے، جس کو بنیادی کتب اور امہاتِ فن میں شمار کیا گیا ہے۔اِن تمام اقوال سے بخوبی اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ سنن ابنِ ماجہ ایک عمدہ اور بہترین کتاب ہے، جو فقہی حوالے سے احادیث کا ایک قیمتی ذخیرہ ہے۔

***



Marfat.com

# علامہ ابن تیمیہؒ کے حالاتِ زندگی

حافظ عبدالوہاب منگریو

اسسٹنٹ پروفیسر اسلامیات

## نام

تقی الدین احمد بن شہاب الدین عبدالحلیم بن مجد الدین عبدالسلام ابن عبداللہ بن محمد بن الخضر بن محمد بن الخضر ابن عبداللہ بن تیمیہ الحرانی الحنبلی۔

دمشق کے قریب، حران میں، دوشنبے کے روزہ 10 ربیع الاول، 661ھ بمطابق 23 جنوری 1263ع میں پیدا ہوئے اور اتوار و پیر کی درمیانی شب 20 ذوالقعد 728ھ بمطابق 27 ستمبر 1328ع کو انتقال کر گئے۔ ائمہ محدثین شیخ یوسف المزی وغیرہ نے غسل دیا اور انہیں ان کے بھائی امام شرف الدین عبداللہ کے پہلو مقابر صوفیہ میں عصر سے کچھ دیر قبل دفن کر دیا گیا، اس دن، دکانیں بند رہیں۔ غالباً ان کی نماز جنازہ میں دولاکھ مرد اور پندرہ ہزار عورتیں شامل تھیں۔ ان کی نماز جنازہ مختلف جگھوں پر ادا کی گئی ان کی قبر آج تک نہیں مٹی۔ کئی لوگوں نے ان پر مرثیے کہے۔

## شادی

آپ نے عمر بھر شادی نہیں کی۔ آپ کے خاندان کے تمام افراد تیمیہ سے منسوب ہیں۔

## وضع قطع

ابنِ شاکر لکھتا ہے کہ: "وہ متقی، عابد، صائم، ذاکر اور حدودِ الٰہیہ کے پابند تھے۔"
سراج کہتا ہے کہ، "وہ نہ تو لباسِ فاخرہ پہنتے، نہ علما کے جبے کو پسند کرتے۔"



Marfat.com

الذھبی لکھتا ہے "وہ خوش شکل اور نیک شہرت تھے، سفید رنگ، کندھے فراخ، آواز بلند اور رسیلی، بال سیاہ اور گھنے اور آنکھیں دو بولتی منہ زبانیں تھیں۔ (الدرالکامنہ)

## تعلیم و تربیت

آپ کے خاندان میں سات آٹھ پشت سے درس و تدریس کا سلسلہ چلا آتا رہا تھا اور سب لوگ علم و فن میں ممتاز گذرے ہیں، اسی وجہ سے نہوں نے اپنی توجہِ علوم اسلامیہ کی طرف مبذول کی۔

ذہبی لکھتا ہے کہ، "سن بلوغت سے پہلے، اس نے قرآن، فقہ، مناظرہ و استدلال میں مہارت حاصل کی اور علمائے کبار میں شامل ہونے لگے۔ سترہ برس کے عمر میں، افتاء تصنیف کا کام شروع کیا۔ اپنے باپ کی وفات کے بعد حنبلی فقہ کے استاد مقرر ہوئے۔

## عقائد

وہابی فرقے کے بانی جن کا تعلق دمشق کے حنبلی علما سے تھا۔ یہ قدرتی بات ہے کہ ابن تیمیہ نے ان کی کتب سے استفادہ کیا۔ اس لیے وہابی فرقے کے عقائد کے اصول کے لیے یہ جلیل القدر عالم ساری عمر لڑتے رہے۔

## مسلک

ابن تیمیہؒ امام احمد بن حنبلؒ کے پیروکار تھے، وہ ان کی کورانہ تقلید نہیں کرتے، بلکہ اپنے آپ کو مجتہد فی المذہب سمجھتے تھے۔ اجماع اور قیاس کو تسلیم نہیں کرتے، البتہ اختلافی مسائل میں، جہاں قرآن و حدیث نہ ہو، مان لیتے تھے۔

وہ بدعت کے سخت دشمن تھے، چنانچہ انہوں نے اولیاپرستی اور مزارت کی زیارت کی شدید مذمت کی۔ وہ کہا کرتے تھے کہ، کیا آنحضرت ﷺ نے یہ نہیں فرمایا کہ "صرف تین مساجد کا سفر اختیار کرو۔ مکے کی مسجد مسجد حرام، بیت المقدس کی مسجد اور میری مسجد کا۔"

تحریر و تقریر دونوں سے انہوں نے متعدد اسلامی فرقوں مثلاً خارجی، مرجئی، رافضی، قدری، مغربی، جہمی، کرامی اور اشعری وغیرہ سے ٹکر لی۔

## خصائص

ہر جمعے کے روز، وہ قرآن کی تفسیر اور تشریح، عالمِ دین کی حیثیت سے کیا کرتے تھے۔ علوم قرآنیہ، حدیث، فقہ، علم دین وغیر میں ماہر ہونے کی وجہ سے راسخ العقیدہ مذاہب کے بہت سارے علما، ان کے دشمن ہوگئے، کیونکہ انہوں نے قرآن و حدیث کے قرونِ اولیٰ کے مسلمانوں کے دلائل کی حمایت کی، جو کہ قرآن و حدیث سے ہی ماخوذ تھے، لیکن اب تک غیر محفوظ تھے۔

اُن کی عمر تیس (30) برس کی نہ ہوئی تھی کہ انہیں قاضی القضاۃ کا عہدہ پیش کیا گیا، لیکن انہوں نے صاف انکار کر دیا۔ 619ھ مطابق 1292ع میں حج کا فریضہ سرانجام دیا۔ منگولوں کے خلاف جہاد کیا۔ وہ قاہرہ میں سلطان الناصر کے مدرسے میں بھی مدرس رہے، سات ہفتے بعد، وہ دمشق کے مدرسے میں مدرس مقرر ہوئے۔ مختلف اسباب کی وجہ سے قید بھی رہنا پڑا، لیکن اپنا کام جاری ساری رکھا۔

## اساتذہ

ان کے اساتذہ کرام کی تعداد تقریباً دو سو تک پہنچتی ہے۔ چند یہ ہیں: زین الدین احمد بن عبدالدائم المقدوسی، نجم الدین بن عساکر، زینب بنتِ مکی، ابن ابی الیسر الکمال بن عبدالکمال۔ عبدالرحیم شمس الدین حنبلی، جمال الدین صیرفی، الخنبیب، المقداد اور القاسم الاربلی وغیرہ

## مواعظ

آپ کے مواعظ میں جمِ غفیر شامل ہوتا، آپ کی پرجوش تصانیف کے نتیجے میں ۱۸ویں صدی کے آخر میں عرب میں محمد بن عبدالوہاب نجدی کی تحریک نے زور پکڑا، مصر میں محمد عبدہ اور ہندستان میں شاہ ولی اللہ، مولوی عبداللہ غزنوی، نواب صدیق حسن خان، ابوالکلام آزاد، عبدالقادر، مہربان مخزمی مدراسی اور باقر آگاہ مدراسی کی کوششوں سے احیائے سنت کا جذبہ پیدا ہو۔



Marfat.com

## اصولِ استدلال

کسی مضمون کے لیے سب سے پہلے آیات کو یکجا کرتے، سنت وحدیث سے استدلال کرتے، حدیث کے رواۃ پر جرح کرتے اور روایت کے لحاظ سے پرکھتے ہیں، پھر صحابہ کے طریق اور فقہائے اربعہ اور دوسرے مشہور ائمہ کے اقوال زیر بحث لاتے۔

## ابن تیمیہ کے متعلق نظریات

بعض مسلمان علما آپ کے راسخ الاعتقادی کی بارے میں متفق ہیں، کچھ انہیں ملحد سمجھتے ہیں، خصوصاً ابنِ بطوطہ، ابن مجبرا لتیمی، تاج الدین سبکی، تقی الدین سبکی وغیرہ۔

بعض نے ابن تیمّیہ کے بارے میں یہ بھی کہا ہے کہ جو اسے مسلمان کہے وہ بھی کافر ہے۔ ان کی مذمت کرنے والوں کے مقابلے میں، ان کی مدحت کرنے والے زیادہ ہیں۔ ابن قیم الجوزی، الذہبی، ابن قدامۃ، ابن کثیر الصرصاری الصوفی، ابن الوردی، ابراہیم الکورانی، محمود الداولی وغیرہ۔ ابن بطوطہ کہتا ہے کہ "ابن تیمیہ شام کی ایک ممتاز ہستی، علوم وفنون کے ماہر اور اہل دمشق کی نظر میں بے حد محترم ومکرم تھے۔

ابوحیان اگرچہ مخالف تھا، لیکن کہتا ہے: "آپ علم کا وہ سمندر تھے، جس کی لہریں موتی اچھالتی رہی ہیں۔"

علامہ کمال الدین اگرچہ مخالف تھا، کہتا ہے: "ابن تیمیہ کو دنیا میں اللہ تعالیٰ سے محبت تھی اور آپ عجائبات عالم میں سے ہیں۔"

بعض فقہا سے اختلاف رکھتے تھے۔ وہ صرف انبیا کی عصمت کے قائل تھے، لیکن ہر کسی بزرگ، ولی اور صحابی کا ادب واحترام ضرور کرتے تھے۔ فلسفہء یونان پر تنقید کی ہے، خصوصاً ابنِ سینا اور ابن سبعیق پر زوردار جملے کہے ہیں۔

وہ کہتے ہیں "صوفی اور متکلمین ایک کشتی کے سوار ہیں۔"

یہودیت اور عیسائیت کے نعم البدل کے طور پر اسلام کو مذہب سمجھتے تھے، اس لیے یہودیت اور عیسائیت پر جرح کی، خصوصاً ان کی عبادت گاہوں، گرجاؤں کی تعمیر کے خلاف رسائل لکھے۔



Marfat.com

## تصانیف

ان کی تقریباً سو تصانیف ہیں، ان میں چند مشہور درج ذیل ہیں:

| | |
|---|---|
| ۱۔ الرسائل الکبریٰ | ۲۔ البدایتہ |
| ۳۔ طبقاتِ سبکی | ۴۔ فتاویٰ حلبیہ |
| ۵۔ رسالتہ الفرقان | ۶۔ منہاج السنتہ |
| ۷۔ العقیدۃ الحمودیۃ | |

ان کے علاوہ قرآن کی تفسیر بھی لکھی، نیز بدنام کنندگان کے خلاف رسائل تحریر کیے، ان تمام مسائل پر مستقل کتابیں لکھنے میں مشغول و مصروف ہو گئے، جس کی وجہ سے وہ قید وبند کی صعوبتیں بھی برداشت کرتے رہے۔

***



Marfat.com

# ڈاکٹر محمد حمید اللہ

سکندر علی چنا

اسسٹنٹ پروفیسر اسلامیات

موت ہر ذی روح کا مقدر ہے، اس سے کسی کو مفر نہیں۔ بدھ، 18 دسمبر 2002ع کو، امریکی ریاست فلوریڈا کے شہر جیکسن ولے میں، دعوت وارشاد اور علم و تحقیق کے تنہا مسافر ڈاکٹر محمد حمید اللہ طویل علالت کے بعد 95 برس کی عمر میں صبح سوا گیارہ بجے آخرت کے سفر پر روانہ ہوئے۔ ان کی تدفین جیکسن ولے (Jacksonville) فلوریڈا (ریاست ہائے متحدہ امریکا) میں انجام پائی۔ انسان اس دنیا میں تنہا آیا ہے، زندگی کی ہنگامہ آرائیوں میں اپنا سفر طے کرنے کے بعد اکیلا ہی قبر کی تنہائیوں میں اتر جاتا ہے۔ اسی طرح ڈاکٹر محمد حمید اللہ نے زندگی کا یہ کٹھن سفر بھی تنہا طے کیا۔ ان کی تنہائی ضرب المثل تھی۔ عمر بھر شادی نہ کی، کسی خادم، کسی معاون کی رفاقت بھی انہیں گوارا نہ تھی۔ فرانس کے دورے کے دوران، پاکستان کے وزیر اعظم میاں محمد نواز شریف نے انہیں پیغام بھجوایا کہ "پاکستان کی طرف سے کسی خدمتگار کو قبول کرلیں" تو ڈاکٹر صاحب نے جواب دیا، "معلوم نہیں کیسا آدمی ہو"۔ جب زیادہ اصرار کیا تو ان کا جواب ایسا تھا، جس کے بعد مزید اصرار کی گنجائش نہ رہی۔ فرمایا "یہ شخص جیسا بھی ہوگا، میرا وقت ضایع کرے گا، اس کی موجودگی میری مصروفیات میں مخل ہوگی"۔ تنہائی اور یکسوئی کے اہتمام کی یہ حد تھی کی پیرس جیسے شہر میں ان کا فلیٹ ٹیلیفون جیسی سہولت سے خالی تھا۔ جنرل ضیاء الحق ان سے بات کرنا چاہتے تھے، معلوم ہوا کہ ان کے ہاں ٹیلی فون بھی نہیں۔ ان کا کمرہ ٹیلیفون کے علاوہ ریڈیو اور ٹیلی وژن جیسی ناگریز مکروہاتِ زمانہ سے پاک تھا۔ جو چیز بھی غور و فکر اور مطالعہ و تحقیق کی راہ



Marfat.com

میں حائل ہوتی، ڈاکٹر صاحب کے ہاں اس کا گذر نہ تھا۔ ان کی زندگی سادگی، کفایت شعاری، پرہیز گاری اور احتیاط پسندی کا بے مثل نمونہ تھی۔ اپنا کھانا خود پکاتے۔ کھانا سادہ اور کم قیمت ہوتا۔ حلال اور حرام میں نہایت شدت سے امتیاز کرتے تھے۔ فرانس کے شہر پیرس میں بود و باش اختیار کی تو گوشت کلیتاً ترک کر دیا۔ صرف اتنا کھاتے تھے کہ جسم و جان کا رشتہ برقرار رہے، بعض اوقات ان کا کھانا صرف اُبلے ہوئے آلوؤں پر مشتمل ہوتا۔ میلوں پاپیادہ چلتے، کار کا سفر پسند نہ کرتے، شاید اس لیے کہ پیرس میں بس اور میٹرو کا سفر نہایت باکفایت اور آرام دہ ہوتا ہے۔ ہوائی سفر بھی اکانومی کلاس میں کرتے۔ 1980ء میں خطبات بہاولپور کے لیے پاکستان تشریف لائے، تو صدر جنرل محمد ضیاء الحق کی ذاتی دلچسپی کے باعث انہیں "انتہائی اہم شخصیت" کا پروٹوکول دیا گیا۔ پیرس میں پاکستانی سفارت خانے نے، ایئرپورٹ جانے کیلیے کار بھجوانے کی کوشش کی، تو صاف انکار کر دیا۔ اپنے معمول کے مطابق، بس سے ایئرپورٹ پہنچے۔ اس وقت کے پریس اتاشی ایم۔ ایچ عسکری لکھتے ہیں:

"ڈاکٹر صاحب نے ایئر فرانس کا، وی آئی پی لاؤنج استعمال کرنے سے انکار کر دیا، ان کی پیشکش پر برافروختہ ہوگئے، لیکن وہ انہیں وی آئی پی لاؤنج تک لانے میں کامیاب ہو گیا، وہ اس کا عینی شاہد ہے کہ، یہاں وہ جتنی دیر بیٹھے رہے، اضطراب و پریشانی، ان کے چہرے سے عیاں تھی۔ پروٹوکول کے قواعد و ضوابط کے مطابق ایئر فرانس کا عملہ ان کا ہینڈ بیگ اٹھانے کے لیے آیا، تو اس کی بھی اجازت نہ دی۔ ان کا اصرار تھا کہ وہ ان کے جہاز پر سوار ہونے سے پہلے وہاں سے چلا جائے، لیکن وہ صدر پاکستان کے خاص مہمان کی حیثیت سے جا رہے تھے، اس لیے ان کے فرائض منصبی میں انہیں رخصت کرنا شامل تھا۔ میں جہاز کے اُڑنے تک وہیں کھڑا رہا۔ جہاز اُڑا، ڈاکٹر محمد حمید اللہ روانہ ہوئے تو اطمینان کا سانس لیا۔"

یہ کفایت شعاری اور جزرسی کسی مجبوری کا نتیجہ نہ تھی، بلکہ اسراف اور فضول خرچی سے اجتناب کی کوشش تھی۔ فقر اور درویشی کی چادر، ڈاکٹر صاحب نے بہت سوچ سمجھ کر اوڑھی تھی۔ ان کے دل میں دنیا اور دنیا کی دولت کے لیے کوئی گوشہ نہ تھا۔ حکومتِ پاکستان نے قومی ایوارڈ کے ساتھ 10 لاکھ روپے کا نذرانا پیش کیا، تو ساری رقم ادارہ تحقیقاتِ اسلامی، اسلام آباد کی لائبریری کے لیے وقف کر دی۔ دنیا کی دولت ان کے پاس کم نہ تھی۔ مغرب میں لاکھ خرابیاں، لیکن علم اور اہل علم کی ناقدری کا کوئی تصور بھی نہیں کر سکتا۔ فرانس کی



Marfat.com

سوربون یونیورسٹی سے مشاہرہ پاتے، کتابوں کی رائلٹی الگ سے آتی۔ یونیورسٹی اور علمی و تحقیقی اداروں میں خطبات کا معقول معاوضہ ملتا۔

## سوانح حیات۔

پیدائش: ڈاکٹر محمد حمید اللہ 09 فروری 1908ع بمطابق 16 محرم الحرام 1326ھ حیدرآباد دکن میں پیدا ہوئے۔

تعلیم و تربیت: جامعہ عثمانیہ حیدرآباد دکن سے ایم۔ اے، ایل ایل ایم اور پی ایچ ڈی کی ڈگریاں حاصل کیں۔ 1932ع میں جرمنی کی بون یونیورسٹی سے "اسلام کے بین الاقوامی قانون" کے موضوع پر ایل ایل ڈی کی سند حاصل کی۔ 1933ع میں فرانس کی سوربون یونیورسٹی سے "عہد نبوی اور خلافتِ راشدہ میں اسلامی سفارت کاری" کے موضوع پر ڈی لٹ کی ڈگری حاصل کی۔ مستحقین کی امداد نہایت رازداری، خاموشی اور مستقل مزاجی سے کرتے، گویا کہ وہ اس دور کے صحابی تھے، ان کی باتیں جذبات سے بلند اور ان کا کام خالصتاً تحقیقی ہوتا تھا۔ وہ کسی بھی قسم کی معاصرانہ چپقلش، گروہ بندی اور لابنگ سے ماورا ہو کر نتائج اخذ کرتے تھے اور بغیر کسی فرد یا جماعت کی ملامت کے ڈر سے، اسے پیش کر دیتے۔ وہ علمائے حق کے درجہءاول میں شمار ہوتے تھے۔ وہ موجودہ دور کے عموم بلویٰ کے علمائے سُوء سے بلکل الگ تھلگ تھے، وہ اعلانیہ کہتے تھے کہ وہ جو کچھ بھی کرتے ہیں وہ تبلیغ کے لیے نہیں کرتے، حالانکہ نتیجتاً وہ تبلیغ پر ہی منتج ہوتا، کیوں کہ وہ اپنے آپ کو نام نہاد علما سے الگ رکھنا پسند کرتے تھے۔

تدریس: فرانس کی سوربون یونیورسٹی سے تعلیم کی تکمیل کے بعد عثمانیہ یونیورسٹی (حیدرآباد دکن) میں دینیات اور قانون کے اُستاد مقرر ہوئے۔ ملک تقسیم ہوا تو حیدرآباد (دکن) ریاست کے وفد کے ساتھ برطانیہ گئے، نظامِ دکن نے اپنی ریاست کی آزاد حیثیت برقرار رکھنے کیلیے جسے بھیجا تھا۔ ستمبر 1948ع میں بھارت نے حیدرآباد دکن ریاست پر قبضہ کر کے اسے بھارت کی حدود میں شامل کر لیا۔ اس وقت ڈاکٹر صاحب پیرس میں مقیم تھے، وہیں سے فیصلہ کر لیا کہ اب حیدرآباد واپس نہیں جائیں گے۔

نئی اسلامی ریاست کی خدمت کا جذبہ لے کر پاکستان آئے۔ 1949ع میں جب قراردادِ مقاصد منظور ہوئی تو حکومت کے مشیر تھے۔ علامہ سید سلیمان ندوی تعلیماتِ اسلامیہ بورڈ کے سربراہ تھے۔ انہیں ڈاکٹر محمد حمید اللہ جیسے صاحبِ علم و تحقیق کی تلاش تھی، لیکن یہاں کے حالات دیکھ کر، کچھ عرصے بعد، ڈاکٹر صاحب نے فرانس کو اپنا مستقل مستقر بنانے کا فیصلہ کرلیا۔ جرمنی اور فرانس میں بھی درس وتدریس سے وابستہ رہے۔

## پیرس میں قیام:

ڈاکٹر حمید اللہ 1949ع سے لیکر 1996ع تک، کم و بیش 47 برس تک فرانس کے دارالخلافے پیرس میں مقیم رہے۔ وہ پیرس میں بین الاقوامی مہاجر کی حیثیت سے سکونت پذیر رہے۔ وہ باقاعدہ کسی بھی ملک کے شہری نہ تھے۔ پیرس میں ایک بے وطن پناہ گزیں کی حیثیت سے مقیم رہے۔ پیرس میں بھی ان کی اقامت گاہ کوئی خاص نہ تھی، بلکہ چوتھی منزل پر واقع، اور لفٹ سے محروم، دو کمروں کے ایک چھوٹے سے فلیٹ میں اقامت گزیں تھے۔ 1996ع میں جیکسن ولے، فلوریڈا، امریکا میں اپنی ایک پوتی کے پاس منتقل ہوگئے تھے، جو ان کی دیکھ بھال کرتی تھیں۔ ڈاکٹر محمد حمید اللہ کی یہ پوتی، اُن کے بڑے بھائی محمد حبیب اللہ کی پوتی ہونے کے ناطے سے، آپ کی بھی پوتی ہیں۔ ڈاکٹر محمد حمید اللہ نے عمر بھر شادی نہ کی۔

پیرس میں اپنی طرز کا ایک انوکھا ادارہ، نیشنل سینٹر آف سائنٹیفک ریسرچ، قائم کیا گیا تھا، جس میں جنگِ عظیم دوئم کے نتیجے میں، بے گھر ہونے والے دنیا کے علما، سائنسدان، ادباء، فنکار اور محققین کی امداد و حوصلہ افزائی کی جاتی تھی۔ ڈاکٹر محمد حمید اللہ بھی اس ادارے کے ساتھ آخری عمر تک، بطور اعزازی تحقیقی افسر (Honourary Research Officer) کی حیثیت سے منسلک رہے۔ نیشنل سینٹر آف سائنٹیفک ریسرچ پیرس کا ایک ذیلی ادارہ Centre Culturel Islamique, 59, rue cluade Bearmart, F. 75006, Paris (France) کی مدد سے اسلامی ثقافتی ورثے کی سیریز کے تحت، ان کی کتب، اصل میں پہلے فرانسیسی زبان میں شایع ہوئیں اور بعد میں دیگر زبانوں میں ان کے تراجم شایع ہوئے۔



Marfat.com

ڈاکٹر محمد حمید اللہ نے پیرس میں تمام زندگی تدریس و تحقیق میں بسر کی۔ ڈاکٹر صاحب کے پاس اکثر شمالی افریقہ کے طلبا موجود ہوتے۔ ان کے ہاتھ پر ہزاروں افراد مشرف بہ اسلام ہوئے۔ جس میں ہر طبقہ ہائے حیات سے تعلق رکھنے والے لوگ شامل تھے۔ ان میں مشہور کتاب "بائبل، قرآن اور سائنس" کے مصنف مورس بوکائی بھی شامل ہیں۔

## خطبات:

یورپ امریکہ، ایشیا اور مشرقِ وسطیٰ کی کئی یونیورسٹیوں میں انہیں خطبات کے لیے مدعو کیا جاتا تھا۔ انقرہ (ترکی) کی ارض روم یونیورسٹی میں تو کئی ماہ تک ہفتہ وار پیرس سے انقرہ بذریعہ ہوائی جہاز آتے اور لیکچر دینے کے بعد واپس جاتے تھے۔ پاکستان میں صدر ضیاء الحق کی دعوت پر اسلامی قوانین کے تدوین کے لیے ڈاکٹر ظفر احمد انصاری کے ساتھ کام کے لیے تشریف لائے۔ 8 مارچ سے لیکر 20 مارچ 1980ع تک بہاولپور یونیورسٹی میں مختلف اسلامی عنوانات پر خطبات دیے، جو کہ عصر اور مغرب کے درمیان غلام محمد گھوٹوی ہال میں دیے جاتے تھے، جس میں مختلف شخصیات صدارت کے لیے مدعو کی جاتی تھیں۔ ان علمی و تحقیقی خطبات کو اسلامیہ یونیورسٹی بہاولپور نے کتابی شکل دیکر "خطباتِ بہاولپور" کے نام سے شایع کرایا۔ جس کا انگریزی ترجمہ (The Emergence of Islam) کے نام سے انٹرنیشنل اسلامک یونیورسٹی (اسلام آباد) نے بھی شایع کروایا۔

## زبانوں پر عبور:

ڈاکٹر محمد حمید اللہ اردو، عربی، جرمن، فارسی، انگریزی، فرانسیسی اور ترکی کی زبانیں بول، پڑھ اور لکھ سکتے تھے۔ انہیں مذکورہ بالا زبانوں پر عبور حاصل تھا۔ جرمن زبان میں بون یونیورسٹی سے ڈاکٹر آف لا کی سند حاصل کی۔ اسی طرح فرانسیسی لسان میں انہوں نے فرانس کی سوربون یونیورسٹی سے، "عہد نبوی و خلافتِ راشدہ میں اسلامی سفارتکاری" کے موضوع پر ڈاکٹر آف لیٹرس کی سند حاصل کی۔ اس کے علاوہ 47 سال تک فرانس میں مقیم رہے۔ لہٰذا فرانسیسی پر تو انہیں دیگر زبانوں سے زیادہ بولنے، لکھنے اور پڑھنے میں آسانی ہوتی تھی، ان زبانوں کے علاوہ ڈاکٹر محمد حمید اللہ، عبرانی، لاطینی، یونانی اور ہندی زبانوں کا بھی فہم رکھتے تھے۔



Marfat.com

ڈاکٹر محمد حمید اللہ، سابق وزیراعظم پاکستان میاں محمد نواز شریف کی دعوت پر 25 اپریل 1992ع سے پانچ مئی 1992ع تک پاکستان کے دورے پر تشریف لائے اور مختلف مقامات پر خطبات دیے۔ کراچی میں چار روز تک اپنی پوتی بیگم سعید محی الدین فخری کے پاس رہے، جو پیر الٰہی بخش کالونی میں مقیم تھیں۔ بیگم سعید محی الدین فخری، ڈاکٹر محمد حمید اللہ کے بڑے بھائی محمد حبیب اللہ کی پوتی ہیں۔ اس لیے رشتے میں آپ کی بھی پوتی ہوئیں۔

## تصانیف:

ڈاکٹر محمد حمید اللہ، کثیر التصانیف محقق تھے۔ ایک ہزار سے زائد بین الاقوامی جرائد، مجلّوں میں مختلف زبانوں میں مقالات شایع ہوئے۔ تین سو پچاس (350) سے زائد تحقیقی کتب، مختلف موضوعات پر طبع آزمائی کی، جن میں عنوانات اور موضوعات کا تنوع پایا جاتا ہے۔ مثلاً: تاریخ قرآن، تاریخ حدیث، تاریخ فقہ، تاریخ اصولِ فقہ و اجتہاد، قانون بین الممالک، عقائد، تصوف، عبادات، مملکت اور اس کا نظم و نسق، نظامِ تشریع و اسلام کا عدالتی نظام، اسلام کا مالیاتی نظام و تقویم تبلیغ اسلام اور غیر مسلموں سے برتاؤ وغیرہ جیسے موضوعات شامل ہیں۔

ان کا پہلا مضمون "مدراس کی سیر"، "ہفت روزہ نونہال" لاہور سے 08 جولائی 1928ع کو شایع ہوا۔ فرانسیسی زبان کے جریدے "فرانس اسلام" کے مدیر بھی رہے۔

ڈاکٹر محمد حمید اللہ کا اندازِ تحریر اور اسلوبِ مدلل، قدیم و جدید ماخذ پر مبنی، تحقیقی اور تقابلی مطالعے کی بنیاد پر مشتمل ہے۔ ان کا انداز اور استدلال علمی اور سائنسی ہے۔ آپ کا اصل دائرہ کار قرآنِ مجید اور سنتِ رسول ﷺ ہے۔

Introduction to Islam

یہ آپ کی مشہور کتاب ہے جو کہ اصلی فرانسیسی زبان میں شعبان 1376ھ 1957ع میں ادارہ .Centre Culturel Islamique,59 rue Cluadte Bernart F 75006-Pairs,France کی مالی امداد اور اسلامی و ثقافتی سلسلے کے تحت شایع ہوئی، 1957ع سے لیکر اب تک انگریزی میں اس کتاب کے چھ ایڈیشن شایع ہو چکے ہیں۔ مسروقہ اشاعتوں کا تو کوئی شمار ہی نہیں، کیوں کہ یہ کتاب کالج اور یونیورسٹیوں میں بیچلر اور



Marfat.com

ماسٹر ڈگری کلاسوں کے لیے مجوزہ کتابوں میں شامل ہے۔ ان کی یہ کتاب دنیا کی متعدد زبانوں میں ترجمہ ہو کر شایع ہو چکی ہے، جس میں انگریزی، عربی، اردو، جرمن، ترکی، یوگوسلاوی، اطالوی، جاپانی، سنہالی، تامل، تیلگو، پولش، پورچوگیزی، کمبوڈین، چینی وغیرہ شامل ہیں۔ اس کتاب میں سیرت طیبہ، تدوین تحفظِ کتاب وسنت، اسلامی تصور حیات، عقائدو نظریات، اعمال روحانی وجسمانی، اسلامی اخلاقِ سیاست، عدالت، معاشیات، خواتین کی حیثیت اور ان کا درجہ، غیر مسلموں کی اسلامی معاشرے میں حیثیت، مسلمانوں کی سائنسی وفنی خدمات، اور مسلمانوں کی مختصر تاریخ جلسے موضوعات کو موثر انداز میں پیش کیا گیا ہے۔

Muhammad Rasulullah Sallallah Alaih Wasallam. A Concise Survey of the life and work of the founder of Islam- 1969

اس کتاب میں سیرت طیبہ پر مستند ماخذات کی روشنی میں تفصیل دی گئی ہے اور آپ ﷺ کی تعلیمات علمی انداز میں بیان کی گئی ہیں۔

The Prophet's Establishing a state and his succession - 1986

اس کتاب میں قرآن کا تصور ریاست، مسلمان کا تصور ریاست، دنیا کا پہلا تحریری دستور، محمد ﷺ بحیثیتِ مدبر (Statesman) اور آپ ﷺ کا غیر مسلموں سے سلوک اور اس کے اثرات و ثمرات، حضور ﷺ کے دور کا مالیاتی نظام، مسلم حکمرانوں کا مالیاتی نظام، ابتدائے اسلام میں دستوری مسائل، مرض الموت میں حضور ﷺ کے تحریری وصایا شامل ہیں۔

جون 1987ع پاکستان ہجرۃ کاؤنسل نے اس کتاب کو اپنی Great Books Project اسکیم کے تحت اسلام آباد سے شایع کیا، جب ڈاکٹر محمد حمید اللہ ہجرۃ کاؤنسل کی دعوت پر اسلام آباد، پاکستان تشریف لائے۔

4- عہد نبوی میں نظام حکمرانی 1980ع اس کتاب میں حضور ﷺ کے دور میں مکہ اور مدینہ کا ریاستی نظام اور آپ ﷺ کی سیرت کے مختلف پہلوؤں پر مضامین کو یکجا



Marfat.com

کیا گیا ہے۔ یہ کتاب پاکستان سے 1987ع میں شایع ہوئی۔

5-اسلامی ریاست: عہد رسالت کے طرزِ عمل سے استشہاد۔ 1992ع۔

اس کتاب میں اسلام کے مالیاتی، دستوری، دفاعی، عدالتی، تعلیمی، تبلیغی اور بین الاقوامی تعلقات کے حوالے سے بحث کی گئی۔

6- "القرآن فی کل لسان" قرآن کریم کے مختلف زبانوں میں تراجم و تفاسیر کے کام پر مشتمل انسائیکلوپیڈیا ہے۔

7-خطباتِ بہاول پور- 1401ہجری، 1990ع

ڈاکٹر صاحب نے اسلامیہ یونیورسٹی بہاولپور کے غلام محمد گھوٹوی ہال میں عصر اور مغرب کے درمیان 08 مارچ سے 20 مارچ 1980ع تک خطبات دیئے۔ یہ کتاب ان مشہور خطبات کا مجموعہ ہے۔ مختلف اسلامی موضوعات پر ڈاکٹر صاحب نے فی البدیہہ اور بغیر کسی پیش ازیں تیاری کے دیے۔ حاضرین کے سوالات کے جوابات بھی ان میں شامل ہیں۔

8- فرانسیسی ترجمہء قرآن مجید 1973ع۔ اس ترجمے کے بیس سے زیادہ ایڈیشن ہزاروں کی تعداد میں شایع ہو چکے ہیں۔

9-فرانسیسی میں سیرت طیبہ۔ دو جلد 1959ع۔

10- Muslims Conduct of State 1973

11- The Battle fields of the Prophet

Muammad (Peace be upon him) 1973.

12۔الوثائق السیاسیہ لعھد النبوۃ وخلافۃ الراشدہ

13-رسول اکرم ﷺ کی سیاسی زندگی۔

14- صحیح بخاری۔ اشاریہ یہ اہم کام ہے جو انسائیکلوپیڈیائی نوعیت کا ہے۔

15- First Written Constitution in th World 1968

16- Constitutional Problems in the Early Islam 1973

17- صحیفہ ہمام بن منبہ 1961ع- احادیث کا قدیم مجموعہ، جو کہ سن 58ہجری میں حضرت ابوہریرہ رضہ نے اپنے شاگرد ہمام بن منبہؒ کے لیے مرتب کیا تھا۔ ڈاکٹر محمد حمید اللہ کو اس کا ایک نسخہ برلن یونیورسٹی کی لائبریری سے اور دوسرا مخطوطہ دمشق کی لائبریری سے



Marfat.com

ملا۔ دونوں نسخوں کو سامنے رکھ کر ڈاکٹر صاحب نے اس صحیفے کی تصحیح و تدوین کی اور عربی میں اسے شایع کیا۔ اس کے بعد ڈاکٹر محمد حمید اللہ کے برادر محمد حبیب اللہ نے اس کا اردو ترجمہ کر کے حیدر آباد دکن (بھارت) سے شایع کروایا۔ ڈاکٹر محمد حمید اللہ کے ایما پر ان کے استاد پروفیسر محمد رحیم الدین نے صحیفے کا انگریزی میں ترجمہ کر کے لندن سے شایع کروایا۔

ڈاکٹر صاحب کہتے تھے کہ مسلمانوں کے کرنے کا کام صرف یہ ہے کہ وہ اسوہ حسنہ پر عمل کریں۔ اسلام کی صحیح خدمت یہ ہے کہ ہم میں سے ہر آدمی اپنے خصوصی شعبے میں کام کرے اور ایک دوسرے کے ساتھ تعاون کرے۔ قوتِ برداشت اور اختلافِ رائے کا احترام اور اختلاف رائے کو حکمتِ عملی سے دور کرے۔ تعلیم کے بارے میں ڈاکٹر صاحب کا زور اس بات پر تھا کہ مسئلہ نصاب تعلیم کا نہیں؛ نصاب تعلیم کوئی بھی ہو سارا زور طلبہ کی تربیت پر ہونا چاہیے۔ اس کے لیے ضروری ہے کہ اساتذہ باعمل ہوں، ان کے قول و فعل میں تضاد نہ ہو بلکہ ہم آہنگی ہو ورنہ طلبہ منافق بنتے ہیں۔

آج ڈاکٹر محمد حمید اللہ کی وفات ہمیں ایک بار پھر یہ یاد دہانی کروا رہی ہے کہ ادارے محض سنگ خشت سے نہیں افراد سے ہی وجود پاتے ہیں۔

## حوالہ جات


1۔ روزنامہ "جنگ" کراچی۔ جمعرات 19 دسمبر 2002ع صفحہ 01 اور 10

2- رونامہ "جنگ" کراچی پیر، 23 دسمبر 2002 ع صفحہ 05 کالم نگار ہارون الرشید کا کالم " ناتمام" بعنوان "سوال" اور کالم نگار عبدالقادر حسن کا کالم "غیر سیاسی باتیں" میں کالم "ڈاکٹر حمید اللہ کی یاد میں۔"

3- ہفت روزہ "تکبیر" کراچی 21 مئی 1992ع صفحات 26-30 محمد صلاح الدین کا مضمون

4- ماہنامہ "تذکیر" لاہور، جنوری 2003ع نمبر 01 جلد 16۔ صفحات 07، 09۔

5۔ ماہنامہ "تدریس القرآن" کراچی، فروری 2003ع شمارہ 02 جلد نمبر 20 صفحات 23-27۔

6- ڈاکٹر محمد حمید اللہ کی وہ سب کتابیں جن کا اس مقالہ میں ذکر کیا گیا ہے۔


***



Marfat.com

# حضرت لقمان حکیم کی نصیحتیں

سید محمد جری عباس

جماعت : دوازدہم

سورہ لقمان، قرآن مجید کی اکتیسویں (۳۱) سورہ ہے۔ اوراکیسویں (۲۱) پارے میں ہے۔ اس سورہ میں حضرت لقمان حکیم کی دس نصیحتوں کا ذکر ہے۔ جو اس نے اپنے بیٹے کو کی ہیں۔

(۱) خدا کا شریک نہ بنانا، کیونکہ شرک عظیم ظلم ہے۔

(۲) ماں باپ کا شکریہ ادا کرنا اور ان سے حسن سلوک کرنا۔

(۳) نماز قائم کرنا۔

(۴) نیکیوں کا حکم کرنا۔

(۵) برائیوں سے روکنا۔

(۶) صبر کرنا۔

(۷) اکڑ کر نہ چلنا۔

(۸) غرور نہ کرنا۔

(۹) آواز دھیمی رکھنا

(۱۰) خدا سے ہر کام کا بدلا ملنے کا یقین کرنا۔

حضرت لقمان حکیم حضرت ابراہیم علیہ السلام کے سگے بھائی ناحور بن تارخ کے پوتے اور حضرت ایوب علیہ السّلام کے بھانجے تھے۔ آپ کا تعلق نوبیا قوم سے تھا۔ آپ حضرت داوٗد علیہ السلام کی بادشاہت کے دوران پیدا ہوئے تھے۔ وہ حضرت داوٗدؑ کے زمانے سے حضرت یونس علیہ السّلام کے زمانہ تک، تقریباً ایک ہزار سال زندہ رہے۔ بڑے

نیک سیرت اور صالح انسان تھے۔ ہر وقت خاموش رہتے تھے اور غور وفکر کرتے رہتے تھے۔ انتہائی ذہین، بلند اخلاق کے مالک اور پارسا تھے۔ گناہوں کے خوف سے ہر وقت غمگین رہتے تھے، نہ کبھی قہقہے لگاتے، نہ کسی سے مذاق کرتے، نہ کھیلتے اور نہ کبھی کسی سے بدتمیزی سے پیش آتے تھے۔ ہمیشہ علماو حکماء کی صحبتوں سے فیض یاب ہوتے تھے۔

یہ سچ ہے کہ وہ ایک سیاہ فام غلام تھے۔ لیکن کبھی بھی اپنے مالک کا ناجائز و حرام کاموں میں ساتھ نہیں دیا۔ خدا پاک نے انہیں علم و حکمت، اس کے حسب ونسب کے سبب عطا نہیں کیے، بلکہ تقویٰ کے سبب ان کے سینے کو، علم و حکمت کے نور سے روشن کردیا تھا۔ زمین کے ہر گوشے میں علم و حکمت کا پرچار کرتے تھے۔ جڑی بوٹیاں اور پتھر بھی اس سے کلام کرتے تھے، کہ ہم اس مرض کا علاج ہیں۔

بعض حضرات کا خیال ہے کہ، اللہ تعالیٰ نے اسے نینوامیں مبعوث کیا تھا اور بعض اسے صرف حکیم ودانا بزرگ تسلیم کرتے ہیں۔ قرآن مجید نے صرف اس کے حکیم ہونے کی گواہی دی ہے۔

اس مردِ دانا و حکیم کی حکمتوں اور نصیحتوں میں سے ان چند حکمتوں اور نصیحتوں کا ذکر کیا جاتا ہے؛ جو علم واخلاق کے بارے میں ہیں۔

## (۱) دنیا کی قدر قیمت اور علم حاصل کرنے کا مقصد

حضرت لقمان نے اپنے بیٹے کو نصیحت کرتے ہوئے فرمایا:

"اے میرے پیارے بیٹے! یہ دنیا ایک سمندر ہے۔ اس میں بے شمار قومیں اور نسلیں ڈوب گئی ہیں۔ دنیا کے اس سمندر سے تیرنے اور گذرنے کے لیے، تیری کشتی تقویٰ ہونا چاہے۔ تیرا پل اور ستون، ایمان ہونا چاہیے اور تیری کشتی کا بادبان، توکل ہو، تا کہ تو نجات پاسکے اور ڈوبنے سے محفوظ رہے۔ اے میرے فرزند! میرے گمان میں، وہ نجات اور کامیابی ممکن اور آسان نہیں ہے، جس کا وعدہ کیا گیا ہے۔ کیونکہ لوگ اس سے خوف میں مبتلا نہیں ہوتے، حتیٰ کہ وہ روز بروز یہ دیکھتے اور محسوس کرتے رہتے ہیں کہ، ان کی عمریں کم ہوتی جارہی ہیں؛ وہ شخص کیونکر خدا کو یاد نہ کرے اور تقویٰ اختیار نہ کرے، جس کو یہ معلوم ہو کہ، اس کی عمر کا وقت ختم ہونے والا ہے۔ اے میری آنکھوں کے نور!

یہ دنیا ایک گذرگاہ ہے۔ تم اس دنیا سے صرف اتنا حصہ اور نصیب لے لو کہ آسانی سے گذر جاؤ۔ دنیاداری میں اتنا زیادہ مصروف و مشغول نہ ہو جانا، کہ تیری آخرت کو نقصان پہنچے اور نہ ہی دنیا کو اتنا زیادہ ترک کر دینا اور چھوڑ دینا، کہ تم لوگوں پر بوجھ بن جاؤ اور ان کے کھانے پینے اور مال دولت کے محتاج ہو جاؤ اور اسی پر گذارہ کرو! تم مستحب و مسنون روزے صرف اس لیے رکھو کہ تیری خواہش اور شہوت ختم ہو جائے۔ لیکن یہ مستحب و مسنون روزے، اتنے زیادہ بھی نہ رکھنا، کہ وہ تمہیں واجب اور فرض عبادتوں اور نماز وغیرہ سے روکیں اور ان کے ادا کرنے میں رکاوٹ بن جائیں، جبکہ واجب نماز وعبادت، مستحب و مسنون روزوں سے زیادہ اہمیت کی حامل ہے، کیونکہ اگر کوئی فرض چھوڑ کر سنت یا نفل ادا کرتا ہے، تو اس کی سنتی یا نفلی عبادت قبول نہیں کی جاتی، اور نہ ہی خدا کی راہ میں اتنی خیرات دی جائے، کہ آل واولاد کنگال و محتاج ہو جائے۔

اے میرے عزیز بیٹے! تم علم اس لیے حاصل نہ کرنا، کہ علماء سے فخر کرو، یا بحث و مباحثہ کرو، یا غرور و تکبر کرو اور بے وقوفوں، نادانوں اور جاہلوں سے مباحثہ و جھگڑا کرو۔ نہ ہی علم اس لیے حاصل کرنا کہ ریاکاری اور دکھاوا کرو اور تم علم کا حصول اس خوف سے نہ چھوڑ دینا، کہ تمہیں بداخلاقی، جہالت اور بے راہ روی کا شوق واشتیاق ہے۔

اے میرے نور چشم! لوگوں سے میل جول اور ان کی محافل و مجالس کو آنکھوں سے لگائیں اور انہیں اہمیت دیں، مگر اس محفل اور مجلس میں جانا، جس میں لوگ اللہ کی عبادت و شکر میں مشغول و مصروف ہوں؛ تو ان کے ساتھ بیٹھ جانا۔ اگر تو عالم ہو گا، تو تیرا علم تجھے فائدہ دے گا! اگر جاہل ہو گا، تو عالم تجھے تعلیم دیں گے۔ شاید اسی محفل پر رحم خدا کا ہو اور وہ سایا تجھے بھی اپنی آغوشِ دامن میں لے لے۔

ایک بار ان سے عرض کیا گیا کہ وہ کیا عمل تھا جس نے تیرے لیے علم و حکمت کے دروازے کھول دیئے؟ یہ سن کر حضرت لقمان نے فرمایا:

"میں کسی سے سوال نہیں کرتا، اس چیز کے بارے میں جس کا مجھے فائدہ نہ ہو اور جس کا مجھے فائدہ نہیں ہوتا، میں اس کے لیے بھاگ دوڑ نہیں کرتا۔ یہی میری زندگی کا وہ خاص عمل اور وظیفہ ہے، جس کے سبب میرے لیے علم و حکمت کے دروازے کھول دیے گئے۔"



Marfat.com

## (۲) علم اور دانش کی قدر و قیمت اور فضیلت

حضرت لقمان نے اپنے بیٹے کو نصیحت کرتے ہوئے فرمایا:

"اے میرے بیٹے! حکمت و دانش حاصل کرو، تاکہ تجھے شرف اور فضیلت حاصل ہو جائے۔ اس کے علاوہ، حقیقی و اصلی علم و حکمت و دانش، دین کی طرف رہنمائی اور تصدیق کرتی ہے۔ علم و حکمت غلام کو، آزاد اور حُر پر فضیلت اور فوقیت دیتی ہے، مسکین و غریب کو، امیر اور دولتمند سے زیادہ مقام اور مرتبہ اور فضیلت و شرافت عطا کرتی ہے، بچے کو، بوڑھے اور پیر سے زیادہ اولیت دیتی ہے، شریف کی شرافت، سید و سردار کی سرداری و سیادت کو، دوچند کر دیتی ہے اور امیر اور دولتمند کو، کرم اور نوازش عطا کرتی ہے۔

اے فرزند! آدمی کس طرح گمان کر سکتا ہے کہ حکمت و دانش کے بغیر اس کا معیشت کا مسئلہ حل ہو سکتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے تو، دین و دنیا کا کوئی بھی مسئلہ بغیر علم و حکمت کے نہیں رکھا۔ یاد رکھنا کہ علم و حکمت بغیر فرمانبرداری اور تقویٰ کے ممکن ہی نہیں ہے۔ ان کی مثال ایسی ہے کہ جیسے بدن؛ روح اور نفس سے خالی ہو۔ زمین بغیر پانی کے سرسبز و آباد ہو؛ اس لیے علم و حکمت و دانش کے لیے اطاعت اور فرمانبرداری لازم ہے۔

## (۳) علم و حکمت حاصل ہونے کے اسباب و عوامل

حضرت لقمان سے کہا گیا، کیا تو غلام و نوکر نہیں تھا؟ اس نے جواب دیا بلکل اور سچ مچ میں غلام اور نوکر تھا۔ پھر اس سے پوچھا گیا۔ جس طرح آج ہم تم کو صاحب حکمت و دانش پاتے ہیں، یہ درجہ و منزل و مرتبہ تجھے کس طرح حاصل ہوا؟ کسی چیز نے تجھے اس منزل و مقام پر فائز کیا؟ اس نے جواب دیا کہ، "میں امانتوں کو ادا کرتا تھا، فضول اور بے کار باتوں کو ترک کر دیتا تھا۔ شرم و حیا سے آنکھیں جھکاتا تھا، اپنی زبان کو اپنے قابو میں رکھتا تھا۔ کھانے پینے میں پاک اور حلال ہی کھاتا اور پیتا تھا۔ یہاں تک کہ ایسا حلال اور پاک کھانا بھی نہیں کھاتا تھا، جس میں کسی بھی طرح سے حرام و ناجائز مال کے مل جانے کا شک و گمان



Marfat.com

ہوتا تھا۔ عفت و پاک دامنی کو اختیار کرتا تھا۔ یہاں تک کہ کبھی خیال سے بھی زنا کا تصور ہی نہیں کیا تھا، آنکھوں اور کانوں کی زنا تو دور کی بات ہے۔

اس وجہ سے آج میرے پاس حکمت و دانش ہے۔ میں آج بھی یہ سارے کام کرتا ہوں۔ جو لوگ ان فضائل اور خوبیوں سے ناقص ہیں، وہ مجھ سے کم تر ہیں اور جو مجھ سے ان صفات اور فضائل میں افضل ہیں، وہ مجھ سے بھی زیادہ باعزت و باشرافت ہیں اور جو ان پر عمل کرتا ہے، وہ مجھ جیسا ہے۔

اے میرے پیارے لختِ جگر! تم بھی امین و دیانتدار ہو جاؤ، تاکہ امیروں جیسی باشرافت زندگی گذار سکو۔ توبہ کو ٹال مٹول میں نہ ڈالو اور توبہ کرنے میں تاخیر اور دیر نہ کرو، کیونکہ موت اچانک آجاتی ہے۔ تم کسی بھی مصیبت اور تکلیف میں مبتلا شخص کا مذاق نہ اڑانا اور نہ ہی خیر اور نیکی کا کام کرنے میں سستی کرنا، کیونکہ وقت لوٹ کر نہیں آتا۔ اگر تجارت کرنا چاہتے ہو تو اللہ سے کرو، اور تقویٰ کی تجارت سب سے بہتر ہے کہ اللہ تجھے کئی گنا زیادہ عطا کرے گا۔ جب تم سے کوئی غلطی ہو جائے تو صدقہ و خیرات دو، تاکہ تم اس غلطی کی آگ اور اثر سے خود کو بچا سکو اور اس کی تپش کو ٹھنڈا کر سکو۔

اے میرے فرزند! بے وقوف اور احمق کے سامنے حکمت کی باتیں کرنا اور اس کو نصیحت کرنا، ایسا ہے جیسے کسی بوڑھے کا بلند و بالا پہاڑ کی چوٹی پر چڑھنا۔ اس لیے احمقوں اور بے وقوفوں کے سامنے حکمت کی باتیں کرنے سے باز رہنا، اس میں نہ صرف تیری ذات کا نقصان ہے، بلکہ یہ خود علم و حکمت پر بھی ظلم ہوگا! اگر تم کسی کے ساتھ زیادتی کرو، تو تم ہی اپنے لیے ماتم برپا کرو اور مرثیہ پڑھو، کیونکہ کسی پر ظلم کرنے کا اثر مظلوم سے زیادہ ظالم پر ہوتا ہے، کہ ذلت و خواری اور رسوائی ظالم کا مقدر اور نصیب اور حمایت و ہمدردی اور عزت مظلوم کا مقدر بن جاتی ہے۔

## (۴) علم و ادب کی شرطیں

حضرت لقمان نے اپنے فرزند کو نصیحت کرتے ہوئے فرمایا کہ:

"اے میری آنکھوں کے نور! اے میری آنکھوں کی ٹھنڈک! اگر تو نے بچپن میں ہی علم و حکمت اور ادب و اخلاق کو اپنا ملکہ اور کردار بنا دیا، تو یہ علم و ادب تمہیں جوانی

Marfat.com

میں فائدہ دے گا۔ جو بھی علم و حکمت اور ادب و اخلاق کو پالیتا ہے، وہ اسے اپنانے اور سیکھنے کا مکمل بندوبست اور اہتمام کرتا ہے۔ جو علم و حکمت اور ادب و اخلاق سیکھنے کا بندوبست کرتا ہے، وہ اپنے آپ کو اس کے رنگ میں ڈھالنے کی کوشش و جستجو کرتا ہے اور جب یہ جستجو و کوشش شدید ہو جاتی ہے، تو اس کے رنگ میں ڈھلنے کی شدت بھی بڑھ جاتی ہے اور وہ اس کے فائدے کی شیرینی محسوس کرتا ہے۔ جو شیرینی محسوس کرتا ہے وہ بالآخر اس کے رنگ میں ڈھل کر، اپنی زندگی کا شیوہ اور ملکہ وعادت بناتا ہے۔ اسی طرح تم گذشتہ زمانوں کے نیک سیرت اور صالح لوگوں کے بلند اور باعظمت کردار کو اپنا کر، ان کا وارث بن سکتے ہو اور آنے والی نسلیں تمہارے علم و ادب کی وارث بن جائیں گی اور تیرے علم و ادب کی وارث کہلائیں گی۔

اے میرے بیٹے! تیرے باادب اور نیک اخلاق ہونے سے، تیرے دوستوں میں، تیرے لیے محبت بڑھ جائے گی اور تیرے دشمنوں پر، تیری دھاک بیٹھ جائے گی۔ دنیا داری میں تیری مشغولیت، تیرے علم ادب میں رکاوٹ اور سستی اور کاہلی کا سبب ہے۔ یہ سچ ہے کہ تم بغیر علم و ادب کے دنیا پر تو غالب آسکتے ہو، مگر آخرت میں تجھے ذلت ورسوائی کا سامنا کرنا پڑے گا۔

اے میرے فرزند! یہ ہمیشہ یاد رکھنا کہ اگر تجھ میں، اہل علم لوگوں سے، علم حاصل کرنے کی جستجو اور تڑپ فوت ہو گئی، اور وہ تیرے ہاتھ سے نکل گئی، تو تیری دنیا خود بخود تیری آخرت پر غالب آجائے گی اور آخرت تیرے ہاتھوں سے نکل جائے گی۔ اس لیے تم علم و ادب حاصل کرنے کے لیے، اپنے دن رات کے اوقات میں سے، ایک وقت مخصوص اور مقرر کرلو، تاکہ علم و حکمت کا زیاں و ضایع ہو جانے کا خوف نہ رہے۔ تم کبھی بھی کسی ہٹ دھرم، ضدی، مغرور، اور اپنی تعریف خود کرنے والے سے بحث نہ کرنا اور نہ ہی فہیم اور ذکی انسان کے سامنے اپنے لب کھولنا۔ کسی بادشاہ سے خوامخواہ تعلقات قائم نہ کرنا۔ البتہ جہاں عقل اور شریعت اجازت دے، وہاں جائز ہے۔

اے میرے فرزند! کسی بھی ظالم و جابر اور مفاد پرست سے دوستی اور سچائی و صداقت اختیار نہ کرنا اور نہ ہی فاسق و فاجر آدمی کا ہم نشین بننا۔ اپنے علم و حکمت کو، نااہل اور کم ظرف سے اس طرح پوشیدہ رکھنا، جس طرح دِرہم و دینار اور سونا و چاندی کو دنیادار آدمی چھپاتا ہے۔



Marfat.com

## (۵) بچپن میں تربیت اور عالم کو جاہل پر فوقیت

"اے میرے علم وادب کے وارث! اے میری آنکھوں کی ٹھنڈک! اگر تو نے بچپن میں ہی علم وادب سیکھ لیا تو تم بڑے ہو کر اس سے بے حد فائدہ اٹھاؤ گے۔ جو شخص بچپن ہی میں علم وادب سیکھ لیتا ہے، وہ علم وحکمت حاصل کرنے کے لیے اپنا ظرف تیار کرلیتا ہے۔ جو علم وحکمت کے لیے اپنا ظرف تیار کرلیتا ہے، وہ علماء کی نظر کا مرکز ہو جاتا ہے۔ جو علماء کی نظروں کا مرکز ہوتا ہے وہ صاحبِ حکمت و تقویٰ ہو جاتا ہے۔ جو صاحبِ تقویٰ ہو جاتا ہے، اسے علم کے ضایع ہو جانے کا دکھ ہوتا ہے۔

اے میرے فرزند! بلند اخلاق بن جاؤ، تاکہ تمہارا ظرف علم کے لیے روشن ہو جائے۔ اہلِ علم لوگوں میں سے ان کی ہم نشینی اختیار کرو اور ان سے اپنی اصلاح کرو اور ان سے وفاداری کرو۔ جب اہلِ علم تم سے دور ہو جائیں یا تم سے کنارہ کشی اختیار کریں، تو تم ہی اپنا قصور تصور کرنا۔ یاد رکھو! اہلِ علم سے کبھی بھی دشمنی نہ رکھنا۔ کیونکہ اہلِ علم کی دشمنی، سب سے زیادہ نقصان دہ ہوتی ہے کیوں کہ عام لوگ تو اہلِ علم کی تصدیق کریں گے اور اہلِ علم تیری تصدیق نہ کریں گے۔!!!

اے میرے فرزند! اگر حکیم، عالم اور عاقل تجھے سزا دیں اور وہ سزا تیرے بدن میں اذیت کا سبب ہونے لگے، تو اس پر غصہ نہ کرنا، حکیم کی ایسی سزا اور پٹائی، تیرے لیے فائدے مند اور باعزت ہے، اس جاہل شخص کے خوشبو دار تیل کی مالش سے، جو تیرے لیے سکون اور راحت کا سبب بنے۔ مگر یہ بھی یاد رکھو کہ وہ سزا دینے والا عالم، صاحب تقویٰ اور حقیقی عالم ضرور ہو۔

اے میرے فرزند! اپنے روز و شب ضرور کے درمیاں ایک ایسا وقت مقرر کرو، جس میں تم مطالعہ کرو۔ اس طرح تم علم بھی حاصل کرتے رہو گے۔

اے میرے بیٹے! جو اللہ پر ایمان لاتا ہے، وہ اللہ کے قول کی تصدیق کرتا ہے۔ جس نے اللہ تعالیٰ کے قول کی تصدیق کی، وہ اس چیز پر عمل کرتا ہے، جس کا حکم خدا دیتا ہے۔ اور جو شخص اللہ تعالیٰ کے حکم کی پیروی نہیں کرتا اور اس پر عمل نہیں کرتا، وہ اللہ تعالیٰ کے قول کی تصدیق ہی نہیں کرتا اور نہ صرف یہ بلکہ وہ اسے جھوٹا مانتا ہے۔ کیونکہ اخلاق کے بعض پہلو، بعض دوسرے پہلوؤں کی گواہی اور شاہدی دیتے ہیں۔

## (۶) دنیا کی حقیقت

اے میرے بیٹے! حق کے آگے جھک جاؤ، کیونکہ ہوشیار، دانشمند اور ذہین انسان اپنے آپ (خود) کو حق کے سامنے ناچیز قرار دیتا ہے۔ اے میرے بیٹے! دنیا پر بھروسہ نہ کرنا اور دنیا میں مشغول نہ ہو جانا، کیونکہ اللہ تعالیٰ کے پاس دنیا سے زیادہ بے وقعت چیز کوئی نہیں۔ دنیا میں کسی جاہل کو اپنا قاصد نہ بنانا۔ اگر تجھے کوئی عاقل قاصد نہ ملے، تو تم اپنے پیغام کو خود ہی پہنچاؤ۔

اے میرے بیٹے! ہر شے کی پہچان کی علامتیں اور نشانیاں ہوتی ہیں، یہ علامتیں اور نشانیاں، خود اس چیز کی حقیقت اور اصلیت پر گواہ ہوتی ہیں۔ اس طرح دین کی تین نشانیاں ہیں: علم، ایمان اور عمل۔ ایمان کی تین نشانیاں ہیں: اللہ پر یقین، آسمانی کتابوں پر یقین اور رسولوں پر یقین۔ عالم کی بھی تین نشانیاں ہیں: ایک نشانی علم اور معرفت، دوسری نشانی، ان چیزوں کا علم جو اللہ کو پسند ہیں اور تیسری نشانی یہ ہے کہ وہ ان چیزوں سے خفا ہوتا ہے، جس پر اللہ کا غضب ہوتا ہے۔ اسی طرح عامل کی بھی تین نشانیاں ہیں۔ نماز، روزہ اور زکوۃ، جو سخاوت کا نتیجہ ہے۔ اپنے آپ کو موت کے لیے آمادہ رکھو۔ کبھی یہ گمان نہ کرو کہ لوگوں میں سے کسی بھی ایک سے تم بہتر ہو۔ اپنی زبان اور اپنے کلام کو اس طرح پوشیدہ رکھو، جس طرح مال پوشیدہ رکھا جاتا ہے۔ سو آدمیوں سے دوستی قائم کرلو، لیکن عداوت ایک سے بھی نہ کرنا: کیونکہ ایک دشمن ہی سب پر بھاری ہوتا ہے۔ دنیا میں زندہ رہنے کے لیے اخلاق و آداب بہترین چیزیں ہیں۔ اس سے تیرا دین ظاہر ہوتا ہے، کیونکہ تیرا دین ہی تیرا اخلاق و آداب اور خیر و بھلائی ہے۔

### حوالاجات


(۱) تفسیر ضیاء القرآن (جلد سوئم) از پیر محمد کرم شاہ الازہری ضیاء القرآن پبلی کیشنز لاہور۔

(۲) تفسیر ابن کثیر۔ از علامہ حافظ عماد الدین ابن کثیر جلد چہارم حصہ :۔ سورہ لقمان، پبلشرز :۔ مکتب تمدن انسانیت لاہور

(۳) قصص القرآن :۔ از مولانا محمد حفظ الرحمٰن سیوہاری جلد :۔ چہارم پبلشر :۔ مکتبہ حنفیہ لاہور

(۴) تفسیر عثمانی از شیخ الاسلام شبیر احمد عثمانی جلد دوم حصہ سورہ لقمان پبلشرز :۔ دار الاشاعت کراچی۔

(۵) تذکیرۃ القرآن از مولانا وحید الدین خان جلد دوئم حصہ : سورہ لقمان پبلشرز : دار التذکیر لاہور




Marfat.com

# سوانحِ حیات حضرت عبداللہ شاہ غازیؒ

عمران خان نیازی
جماعت: یازدہم

## اسمِ گرامی

آپ کا اسمِ گرامی سید عبداللہ ہے۔ کنیت ابو محمد اور لقب الاشتر ہے۔ آپ سید محمد نفس ذکیہ کے صاحبزادے اور سید عبداللہ المحض کے پوتے ہیں۔ سلسلہء نسب بابِ مدینہ العلم، حضرت علی کرم اللہ وجہ سے ملتا ہے۔

پورا سلسلہ اس طرح ہے۔ سید ابو محمد عبداللہ الاشتر بن سید محمد نفس الذکیہ بن عبداللہ المحض بن سید حسن مثنیٰ بن سیدنا حضرت امام حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ بن حضرت علی بن ابی طالب کرم اللہ وجہ۔ حضرت امام حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے صاحبزادے حضرت حسن مثنیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی شادی حضرت امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی صاحبزادی، حضرت فاطمۃ صغریٰ رحمتہ اللہ علیھا سے ہوئی۔ اس لحاظ سے آپ (حضرت عبداللہ شاہ غازیؒ) دونوں اماموں کی نجابت کے وارث ہیں، حسنی اور حسینی کہلائے۔

## کنیت اور لقب

ابو محمد کنیت، اس لیے آپ کی مشہور ہوئی، کیونکہ آپ کے ایک صاحبزادے کا نام محمد تھا۔ الاشتر لقب اس لیے مشہور ہوا کہ الاشتر بروزنِ اکبر، ایسے شخص کو کہتے ہیں، جس کے پپوٹے اس کی آنکھوں پر جھکے ہوئے ہوں۔



Marfat.com

## ولادت

آپ کی ولادت باسعادت ۹۸ھ یعنی پہلی صدی ہجری کے آخر میں مدینہ ءمنورہ میں ہوئی۔ یہ وہ دور تھا، جب بنو امیہ کی حکومت آخری ہچکیاں لے رہی تھی اور پورا ملک انتشار کا شکار تھا۔

## تعلیم و تربیت

آپ کی تعلیم و تربیت، آپ کے والدِ محترم سید محمد نفس ذکیہ کے زیرِ سایہ ہوئی۔ علمِ حدیث میں ملکہ رکھتے تھے۔ بعض مصنفین نے آپ کو محدثین میں شمار کیا ہے۔

## آمد سرزمینِ سندھ

دوسری صدی ہجری کے آغاز میں، بنو امیہ کی حکومت ختم ہو چکی تھی۔ ۱۳۸ھ میں حضرت عبداللہ شاہ غازیؒ کے والد نے عباسیوں کے خلاف جہاد کیا اور اپنی دعوتِ تحریک مدینہ منورہ سے شروع کی اور اپنے بھائی ابراہیم بن عبداللہ کو اسی غرض سے بصرہ روانہ کیا۔ یہ وہ دور تھا، جس میں ساداتِ اہلِ بیت کو ظلم و ستم کا نشانہ بنایا جا رہا تھا۔ عباسی خلیفہ منصور نے، سادات کی بیخ کنی شروع کردی۔ سادات کے قتلِ عام میں کوئی کسر باقی نہ رکھی تھی۔ حضرت ابراہیم علیہ رحمۃ جو بے مثال حسن اور خوبصورتی کی وجہ سے، دیباج کے لقب سے مشہور تھے۔

انہیں زندہ دیوار میں گاڑ دیا گیا۔ بغداد میں آج بھی وہ دیوار مشہور ہے۔ غرض یہ کہ عباسی دور میں سادات کے کئی بچے یتیم ہوئے اور کئی خواتین بیوہ بنیں۔ اسی زمانے میں عبداللہ شاہ غازی قدس سرہٗ کو، ان کے والد نے مدینہ ءمنورہ سے بصرہ، اپنے بھائی ابراہیم بن عبدال کے پاس بھیجا، جہاں سے حضرت عبداللہ شاہ غازیؒ عراق سے ہوتے ہوئے اپنے وطن کو خیرباد کہہ کر سرزمینِ سندھ کی جانب رخ کیا۔



Marfat.com

تاریخ الکامل، ابنِ خلدون اور طبری وغیرہ سے واضح ہوتا ہے کہ حضرت عبداللہ شاہ غازی قدس سرہٗ کو ان کے والد نے دعوتِ خلافت کے سلسلے میں بحیثیتِ نقیب سندھ کی جانب روانہ کیا، لیکن شاہ مانا قادری نے تحریر کیا کہ "آپ کو خلافت سے زیادہ اسلام کی تبلیغ عزیز تھی، جس کی خاطر آپ نے ہجرت کر کے بارہ برس تک، سرزمینِ سندھ میں اسلام پھیلانے کے لیے، تمام تر کوششیں جاری رکھیں اور صدہا سندھیوں کو زیورِ اسلام سے آراستہ کیا۔"

خطۂ سندھ ہی بر صغیر میں پہلی سرزمین ہے، جہاں سب سے پہلے آفتابِ اسلام کی شعائیں پھوٹیں۔ اس کی تفصیل تحفة الزاھرین میں موجود ہے۔ اس امر میں کوئی شبہ نہیں کہ اسلام بزورِ شمشیر نہیں پھیلا بلکہ اللہ کی پاکیزہ تعلیمات اور بزرگانِ دین کے حسنِ اخلاق سے پھیلا۔ اس سلسلہ میں جہاں بزرگوں نے اشاعتِ اسلام کی غرض سے، اپنے وطن کو خیرباد کہا، صحابہ کرامؓ نے سرزمینِ سندھ میں آکر اسلام کی تبلیغ کی، لیکن تاریخ کے حقائق اور شواہد کے آئینے میں، ان سے پہلے ایک دوسرے بزرگ کی آمد کا پتہ چلتا ہے۔ یہ برگزیدہ بزرگ حضرت عبداللہ شاہ غازیؒ ہیں، جن کا مزار کلفٹن کراچی میں، ایک پہاڑی پر واقع ہے۔ اس لحاظ سے تقریباً، بیس برس آپ شیخ حاجی ترابی کے مقلد رہے۔

بعض مصنفین نے شیخ حاجی ترابی قدس سرہٗ کی شہادت ۱۶۱ھ تحریر کی ہے۔ علامہ ابنِ اثیر نے تحریر کیا ہے کہ "حضرت عبداللہ شاہ غازی کی سندھ میں آمد عباسی خلیفہ منصور کے دورِ حکومت میں ہوئی۔ شیخ ابوتراب المعروف شیخ ترابی کی سندھ میں موجودگی خلیفہ ہارون رشید کے دورِ حکومت میں ہوئی"۔

## تجارت اور تبلیغ و اشاعت

مستند روایات سے پتہ چلتا ہے کہ مبلغینِ اسلام، جو عرب سے یہاں تشریف لائے وہ اسلام کی تبلیغ و اشاعت کرتے رہے۔ انہوں نے دو فرائض حلال کمائی اور تبلیغ اسلام، دونوں کو بخوبی سرانجام دیا۔ ان برگزیدہ شخصیتوں میں حضرت عبداللہ شاہ غازی سرفہرست ہیں، جنہوں نے تجارت کا پیشہ اپنے لیے پسند کیا، چونکہ اس



Marfat.com

زمانہ میں عباسیوں اور علویوں کے درمیان خلافت کے سلسلے میں شدید کشمکش جاری تھی اور سادات کو ظلم و ستم کا نشانہ بنایا جا رہا تھا۔ اس وقت حضرت عبداللہ شاہ غازی قدس سرہ نے خیال کیا کہ اگر وہ تبلیغ کی غرض سے سندھ کی جانب روانہ ہوا تو عین ممکن ہے کہ سندھ میں عباسیوں کے مقرر کردہ اراکینِ حکومت ان کے خلاف قدم اٹھائیں، اس لیے آپ نے بحیثیتِ تاجر سندھ میں داخل ہونے کا فیصلہ کیا اور آپ بیس کے قریب مریدوں و رفقا کے ساتھ پہلے کوفہ گئے، وہاں سے بہت سے گھوڑے تجارت کی غرض سے خریدے اور مسافت طے کرتے ہوئے، سندھ کی طرف روانہ ہوئے۔ آپ کو گھوڑوں کا تاجر سمجھ کر کسی نے مداخلت نہ کی اور آپ با آسانی سرزمینِ سندھ پہنچ گئے۔

## گورنر سندھ عمر بن حفص کی بیعت

جونہی آپ نے سندھ میں قدم رکھا، یہاں کے باشندوں نے آپ کی بڑی تعظیم کی اور عوام الناس میں آپ کی بیحد مقبولیت ہوئی، چونکہ سادات اور اہلِ بیت میں آپ ہی واحد ہستی تھے، جن کی آمد سرزمینِ سندھ میں سب سے پہلے ہوئی اور یہ تسلیم شدہ حقیقت ہے کہ ہر دور میں کچھ حاسد اور چڑھتے سورج کے پجاری موجود ہوتے ہیں۔ اس قسم کے کچھ لوگ حضرت عبداللہ شاہ غازی کے دور میں بھی موجود تھے، جو آپ سے حسد کرنے لگے اور گورنر سندھ حضرت عمر بن حفص، جو کہ عباسی خلیفہ منصور کی طرف سے گورنر مقرر کئے گئے تھے، ان کے پاس چند لوگوں نے جاکر شکایت کی کہ، ساداتِ علویہ میں سے حضرت عبداللہ شاہ غازی، یہاں سندھ میں آئے ہیں، گھوڑوں کی تجارت تو ایک بہانہ ہے۔ اصل بات یہی ہے کہ اسے ان کے والد سید محمد نفس ذکیہ نے سندھ میں اپنی دعوتِ خلافت کے لیے مامور کیا ہے اور اس کے لیے زمین ہموار کر رہے ہیں۔ حضرت عمر بن حفص پر اس کا الٹا اثر ہوا۔ ان کو ساداتِ علویہ سے بہت انس تھا اور وہ سادات کا بیحد احترام کرتا تھا، اس لیے لوگوں کی باتوں کو سنی ان سنی کر دی، بلکہ حضرت عبداللہ شاہ غازی سے ملاقات کر کے، ان کے ہاتھ پر بیعت کر دی اور در پردہ ان



Marfat.com

کی حمایت کرتے رہے۔ اس اثنا میں آپ کو قصرِ خلافتِ بغداد سے مطلع کر دیا گیا کہ، حضرت نفس ذکیہ نے مدینہ میں خلافتِ عباسیہ کے خلاف بغاوت کی اور بصرہ میں ان کے بھائی ابراہیم بن عبداللہ کو بصرہ میں ۵۲ ذی القعد ۱۴۵ھ بمطابق 14 فروری 763ء کو عباسی فوج نے شکست دیکر، موت کی نیند سلادیا، لہٰذا حضرت عبداللہ شاہ غازیؒ کو جلد از جلد دربارِ خلافت میں حاضر کرنے کا حکم جاری ہوا۔

حضرت عمر بن حفص نے عباسی خلیفہ منصور کو ہر طرح اطمینان دلایا اور کہا کہ "عبداللہ شاہ غازیؒ ان کی حدودِ مملکت میں نہیں ہیں، اس لیے ان کی گرفتاری کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا! خلیفہ کو اطمینان نہیں ہوا۔ عمر بن حفص بہت دنوں سے اس معاملے کو ٹالتے رہے اور اس کوشش میں رہے کہ کسی طرح خلیفہ کے ذہن سے حضرت عبداللہ شاہ غازیؒ کی گرفتاری کا خیال نکل جائے، مگر کامیابی نہ ہوئی۔

اس کی اطلاع جب آپ کو ملی تو آپ کو بڑا دکھ ہوا۔ دعوتِ اسلام کی جو تحریک آپ نے سندھ میں شروع کر رکھی ہے اور صدہا آدمی آپ کے دستِ مبارک پر بیعت کرکے زیورِ اسلام سے پیراستہ ہوچکے تھے۔

یہ تحریک اچانک رک گئی اور عمر بن حفص نے بھی اس بات کو پسند نہ کیا کہ آپ کو گزند پہنچے۔ اس لیے آپ کو گورنر نے سندھ کی ایک ساحلی ریاست میں بھیج دیا اور وہاں کے راجہ کو جو حکومتِ اسلامی کا اطاعت گذار تھا اور اہلِ بیت و سادات سے محبت کرتا تھا، اسے ہدایت کردی کہ حضرت عبداللہ شاہ غازی کی ہر طرح سے حفاظت و مدد کی جائے۔ اس کے ساتھ ساتھ تبلیغ کی جو تحریک آپ چلا رہے ہیں، اس میں بھی آپ کی اعانت کی جائے، جب سندھ کے ساحلی علاقے میں تشریف لے گئے، تو راجہ نے آپ کی بیحد تعظیم کی اور خوش اخلاقی و بھلائی کا مظاہرہ کیا۔

تبلیغ کے سلسلے میں ہر طرح کی حمایت کی اور کسی قسم کی رکاوٹ پیدا نہ ہونے دی۔ بہرکیف آپ تقریباً چار سال تک راجہ کے مہمان رہے، اس عرصہ میں مسلسل تبلیغ اسلام کرتے رہے۔ آپ کی تبلیغی کاوش سے ریاست میں کافی لوگوں



Marfat.com

نے اسلام قبول کرنے کی سعادت حاصل کی اور مریدوں کی ایک بڑی تعداد آپ کے ساتھ ہوگئی۔ تقریباً چار سو انسان آپ کے مریدوں و رفقا میں شامل رہے۔

## عمر بن حفص کی معزولی

آخر خلیفہ منصور نے ۱۵۱ھ میں عمر بن حفص کو سندھ کی گورنری سے معزول کرکے افریقہ بھیج دیا اور اس کی جگہ ہشام بن عمر تغلبی کو گورنر سندھ مقرر کیا۔

## شہادت

عمر بن حفص کے معزول ہونے کے بعد عباسی خلیفہ منصور نے ہشام بن عمر کو لکھا کہ سندھ کی جس ریاست میں حضرت عبداللہ شاہ غازیؒ قدس سرہٗ سکونت پذیر ہیں اس کے راجہ کو لکھا جائے۔

جس میں راجہ کو لکھا گیا کہ عبداللہ شاہ غازیؒ کو ان کے حوالے کردیا جائے، ورنہ ان کی ریاست پر حملہ کیا جائے گا۔

جب ہشام بحیثیتِ گورنر منتقل ہوکر سندھ میں آئے، تو انہوں نے حضرت عبداللہ شاہ غازیؒ کو گرفتار کرنا مناسب نہ سمجھا۔ ابھی ہشام تنظیمِ حکم کے لیے کوئی مناسب قدم اٹھانے بھی نہ پائے تھے کہ سندھ کے ایک علاقے میں حکومت کے خلاف بغاوت شروع ہوگئی، جس کو کچلنے کے لیے ہشام نے اپنے بھائی سفیح بن عمر کو بھیجا۔ جب سفیح بن عمر دریائے مہران کے قریب پہنچے تو سامنے سے غبار اڑتا ہوا نظر آیا۔ یہ حضرت عبداللہ شاہ غازیؒ تھے، جو سیر و سیاحت کی غرض سے تشریف لے جارہے تھے۔ سفیح بن عمر نے اپنا حریف سمجھ کر ان سے لڑائی کرنا شروع کردی۔

فوج کے لوگوں نے کہا کہ "یہ حضرت عبداللہ شاہ غازیؒ ہیں اور دریائے مہران کے کنارے سیر و سیاحت کی غرض سے آئے ہیں"۔ تو سفیح نے ان کی سنی



Marfat.com

ان سنی کردی۔ لوگوں نے سمجھایا کہ "یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اولاد میں سے ہیں۔ آپ کے بھائی ہشام بن عمر نے بھی انہیں چھوڑ دیا ہے"۔

حضرت عبداللہ شاہ کا نہ تو جنگ کا ارادہ تھا نہ ہی مسلمانوں کو آپس میں خونریزی کرتے ہوئے پسند فرماتے تھے، لیکن جب آپ نے دیکھا کہ سفیح بن عمر نے اپنی فوجوں کے ساتھ مل کر ہلّہ بول دیا ہے تو آپ بمعہ مریدین میدان میں کود پڑے۔ ایک خونریز معرکہ برپا ہوا۔ آپ اپنے مریدوں کے ساتھ اس جنگ میں دشمنوں پر اس طرح ٹوٹ پڑے کہ دشمن کے قدم اکھڑنے لگے۔ اتنے میں کسی ظالم نے آپ پر تلوار سے وار کیا، زخموں سے نڈھال ہوکر زمین پر جا گرے، مگر لڑائی کا نقشہ کچھ اس قسم کا ہوا کہ دشمن کی فوج حواس باختہ ہوکر بھاگ کھڑی ہوئی۔ اس وقت جو مرید بچ گئے تھے، انہوں نے آپ کے جسم کو چھوکر دیکھا تو روح قفسِ عنصری سے پرواز کر چکی تھی۔ آپ کی میت کو لیکر قریب کی جھاڑیوں میں روپوش ہوگئے، پھر جب اطمینان ہوا تو آپ کی نعش کو لیکر جنگلوں اور وادیوں سے ہوتے ہوئے ساحل پر ایک چھوٹی سی بستی میں پہنچے۔ وہاں قریب ہی ایک پہاڑ تھا، جس کے اوپر آپ کے جسدِ خاکی کو سپردِ خاک کردیا۔ یہ واقعہ ۱۵۱ھ میں رونما ہوا۔

## اولاد

تاریخ کی کتابوں میں ایک صاحبزادے کا ذکر ملتا ہے، جن کا اسمِ گرامی حضرت سید ابوالحسن بن عبداللہ ہے۔ یہ ریاست میں اپنے والد کے ساتھ رہتے تھے، جب آپ کے والد شہید ہوگئے تو عباسی فوج نے فوراً آپ کے اہل و عیال کی تلاش شروع کردی۔ جب یہ یقین ہوگیا کہ آپ کی اہلیہ محترمہ ایک فرزندِ ارجمند کے ساتھ ریاست میں راجہ کی زیرِ نگرانی مقیم ہیں، تو فوج نے راجہ سے انہیں جبراً حاصل کرلیا اور ہشام کے پاس پہنچادیا۔ ہشام نے خصوصی فوجی دستہ کی نگرانی میں خلیفہ منصور کے پاس بغداد بھجوادیا۔

خلیفہ منصور نے انہیں چند روز بغداد میں اپنے یہاں ٹھہرانے کے بعد احتراماً فوجی حفاظت میں مدینہ منورہ روانہ کردیا۔



Marfat.com

## چشمہء کرامت

حضرت عبداللہ شاہ غازیؒ کی نمایاں کرامت میٹھے پانی کا وہ چشمہ ہے، جو آپ کے مزار کے نیچے پہاڑی کی تلی میں اُبل رہا ہے جس سے ہزاروں اللہ کے بندے سیراب ہوکر فائدہ اٹھاتے ہیں۔

اس چشمہ کے متعلق یہ روایت ہے کہ حضرت عبداللہ شاہ غازیؒ کو جب ان کے کچھ مرید پہاڑ پر دفن کرچکے، تو ان کے دل نہیں چاہتے تھے کہ وہ اپنے مرشد کو چھوڑ کر کسی دوسری جگہ چلے جائیں۔ لہٰذا انہوں نے مزار کے قریب ہی سکونت اختیار کرلی، مگر میٹھا پانی دور دور تک نہ ہونے کی وجہ سے انہیں سخت تکالیف پیش آئیں۔ آخر ایک دن ان سب نے سخت پیاس اور مایوسی کے عالم میں اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں حضرت عبداللہ شاہ غازیؒ کا واسطہ دیکر دعا مانگی اور پانی ملنے کی درخواست کی۔

اس رات حضرت عبداللہ شاہ غازیؒ نے ان مریدین میں سے ایک بوڑھے شخص کو خواب میں مطلع کیا کہ اللہ تعالیٰ نے تمہاری مشکل حل کردی ہے اور تمہارے لیے پہاڑی کی تلی میں پانی کا چشمہ جاری کردیا ہے۔ مریدین فجر کی نماز کے بعد نیچے اترے تو دیکھا کہ ٹھنڈے میٹھے پانی کا چشمہ اُبل رہا ہے۔

## عرس مبارک

حضرت عبداللہ شاہ غازیؒ کا عرس مبارک ہر سال کراچی میں مزارِ اقدس بمقام کلفٹن ۲۰، ۲۱، ۲۲ ذی الحج کو شان و شوکت سے منایا جاتا ہے۔ لاکھوں عقیدت مندوں کی شرکت ہوتی ہے۔ وعظ و تبلیغ کے علاوہ محفلِ سماع بھی منعقد ہوتی ہے۔ تصوف و سلوک سے وابستہ ہر طبقہ کے لوگ آپ کی ذات سے دلی وابستگی رکھتے ہیں۔

ماخوذاز: مولانا ابوالراج محمد طفیل ٹھٹھوی مرتب کردہ: محکمہ ءاوقاف سندھ

***

# عشقِ خدا اور خوفِ خدا

ذیشان گل درانی

جماعت: دوازدہم

میں نے اپنی چھوٹی سی عمر میں کئی کتابوں کا مطالعہ کیا ہے۔ جن میں مصنفوں نے کبھی عشق مجازی پر اپنے خیالات کا اظہار کیا ہے تو کبھی عشق حقیقی پر۔ اور اگر تنقید نگاروں کی بات کریں تو ان کی تنقید تو میرے پلے سے باہر ہے۔ میں آج اپنے ناقص علم کے مطابق ثابت کرنے کی کوشش کروں گا کہ عشقِ خدا سے خوفِ خدا کا بہت قریبی رشتہ ہے۔

اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السّلام کو پیدا کیا اور اسے احسن تقویم کہہ کر تمام چیزوں سے افضل کیا ہے۔ یہاں تک کہ تمام فرشتوں کو حکم دیا ہے کہ آدم کے آگے سر تسلیم خم کریں۔ پھر آدم کے اندر تمام کائنات کا علم حاصل کرنے کی صلاحیت ودیعت کر دی۔

اس دنیا میں کوئی ایسا نہیں ہے جسے محبت نہ ہو۔ بچہ ماں باپ سے محبت کرتا ہے تو دوسری طرف ماں بچہ سے محبت کرتی ہے۔ مرد، عورت سے اور عورت مرد سے محبت کرتی ہے اور جب بندہ خدا سے محبت کرتا ہے تو حقیقت یہ ہے کہ خدا بھی بندے سے محبت کرتا ہے۔ جیسا کہ قرآن مجید میں ارشاد ہے کہ "تم مجھے یاد کرو میں تمہیں یاد کروں گا۔" اگر ہم اس پر غور و فکر کریں تو ہمیں تمام محبتوں میں بھی خدا کی محبت نظر آئے گی کیونکہ ان سب کو پیدا کرنے والا ہی خالق حقیقی ہے۔ جیساہ کہ علامہ اقبال نے کہا ہے کہ:

خدا کے عاشق تو ہیں ہزاروں بنوں میں پھرتے ہیں مارے مارے
میں اس کا بندہ بنوں گا جسے خدا کے بندوں سے پیار ہو گا

جب انسان کو کسی چیز سے محبت ہو جاتی ہے تو وہ ہمیشہ اس بات کا خیال رکھتا ہے کہ کہیں وہ ناراض نہ ہو جائے۔ اسی طرح وہ انسان بھی جسے اللہ رب العزت سے عشق ہو جاتا



Marfat.com

ہے۔ وہ ان تمام احکامات کی اطاعت کرتا ہے۔ جس کا اسے مکلف کیا گیا ہے اور اس اطاعت سے دل میں خوف خدا پیدا ہوتا ہے۔ کہ کہیں اگر اس سے کوئی خطا ہوگئی تو اس کا رب ناراض نہ ہو جائے۔

اگر ہم دنیاوی نقطہ نگاہ سے دیکھیں تو دنیاوی عاشق بھی ہمیشہ اس بات کا خیال رکھتا ہے کہ کہیں مجھ سے کوئی غلطی نہ ہو جائے اور معشوق کے دل میں یہی خیال ہوتا ہے۔ اسی طرح اللہ کے نیک بندے کو یہ خیال رہتا ہے کہ کہیں مجھ سے غلطی نہ ہو جائے کہ میرا پروردگار خفا ہو جائے اور یہی سوچ انسان کو نفس پر قابو پانے میں مدد دیتی ہے۔ نفس کے بارے میں حضور ﷺ نے فرمایا:

افضل الجهاد جهاد بالنفس

ترجمہ: افضل ترین جہاد نفس کے ساتھ مقابلہ کرنا ہے۔

نفس کے بارے میں ایک روایت ملتی ہے کہ صحابہؓ جب کافروں سے جہاد کرکے لوٹتے تھے تو فرمایا کرتے تھے کہ "ہم چھوٹے جہاد سے جہاد اکبر کی طرف آئے ہیں۔" یہاں بڑے جہاد سے مراد انسان کا نفس ہے۔ اگر آدمی اپنے نفس پر قابو پالے تو وہ کبھی بھی ایسا نہیں کرے گا۔ جس سے خدا تعالیٰ ناراض ہو۔ بلکہ وہ کام کرے گا، جس سے خدا تعالیٰ کی خوشنودی حاصل ہو سکے۔ اور انسان عشق حقیقی کی طرف مائل ہوتا ہے۔ اور اس کا ذائقہ چکھتا ہے۔

اگر اہم اسلام کی بنیادی عقیدے یعنی توحید پر غور کریں تو ہمیں پتہ چلتا ہے کہ جو بات تمام پیغمبروں علیہم الصّلوات والتّسلیم نے کہی تھی بے مقصد نہیں بلکہ بامقصد تھی۔ اگر کلمہ طیبہ کا انسان اپنے سچے دل سے اقرار کرے تو ہم اسے مسلمان کہتے ہیں۔ جب تک کوئی مسلمان سچے دل سے یقین نہ کرے تو وہ سچا مسلمان نہیں کہلا سکے گا۔ جب ایک انسان لا الہ الا الله یعنی اللہ کے سوا کئی معبود نہیں کا اقرار کرتا ہے تو اس کے دل میں ایک محبت جنم لیتی ہے جسے ہم عشق خدا کہتے ہیں اور جب اس کے دل میں عشق خدا پیدا ہوتا ہے تو اسے ہر وقت خوفِ خدا رہتا ہے۔ یہاں مناسب معلوم ہوتا ہے کہ صحابہؓ کی پرنور زندگیوں سے خشیت الٰہی کی چند مثالیں پیش کی جائیں:

حضرت ابو واقدؓ سے روایت ملتی ہے کہ جب حضور ﷺ امام ہوتے تھے تو نماز بہت مختصر پڑھاتے تھے اور جب تنہا پڑھتے تھے تو نماز بہت طویل پڑھتے تھے۔ جب صحابہؓ نے



Marfat.com

عرض کیا، یارسول اللہ آپ ﷺ ایسا کیوں کرتے ہیں؟ آپ ﷺ کی تو اللہ نے مغفرت فرمادی ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا کیا میں اللہ کا شکر گزار بندہ نہ بنوں؟ آپ ﷺ کی اس بات سے ہمیں پتہ چلتا ہے کہ بندہ کو کبھی بھی عبادت الٰہی سے منہ موڑنا نہیں چاہیے کیونکہ یہ ہی وہ طریقہ ہے۔ جو انسان کے دل میں عشق خدا اور خوفِ خدا کی شمع جلاتا ہے۔

حضرت ابو بکرؓ جب نماز پڑھتے تھے تو ساری ساری رات کھڑے رہتے تھے اور عبادت میں مشغول رہتے۔ یہاں تک کہ اپنے بدن کو ہلاتے بھی نہ تھے۔ جب آپؓ نماز پڑھ لیتے تو خوف خدا کی وجہ سے اتنا روتے تھے کہ آپ کی ہچکیاں بندھ جاتیں۔ دیکھیں اس خدا کے بندے کو جنہیں خدا نے جنت کی بشارت بھی دی تھی۔ لیکن پھر بھی خدا کا خوف اتنا تھا، کہ آنکھوں کا پانی ختم نہ ہوتا تھا اور اپنے پروردگار کے عشق میں ساری ساری رات عبادت کرتے تھے۔

حضرت عمر فاروقؓ کا شمار بھی ان صحابہؓ میں ہوتا ہے جنہوں نے اپنی زندگی کا زیادہ حصہ حضور ﷺ کے ساتھ بسر کیا۔ حضرت عمرؓ جب نماز پڑھتے تو ساری ساری رات گذر جارتی اور خوفِ شدا کی وجہ سان اتنار روتے تھے کہ آنکھیں سوج جاتیں تھیں۔ اگر کوئی نیا آدمی انہیں دیکھ لیتا تو یہ سمجھتا کہ شاید نماز میں ہی سانس نکل جائے گا۔

حضرت عثمانؓ جو کہ خلیفہ سوم تھے اسلام کے سچے شیدائی تھے جب بھی حضور ﷺ کو ان کی مدد کی ضرورت پڑتی، چاہے وہ مالی ہو یا معاشی۔ انہوں نے ہمیشہ اسلام کی سربلندی کے لیے اپنی تمام دولت وقف کردی۔ حضرت عثمانؓ کی عبادت کے بارے میں ہمیں پتہ چلتا ہے کہ ان کی راتیں نماز ہی میں گذرتی تھیں اور کبھی کبھی تو وہ ایک ہی رکعت میں پورا قرآن ہی ختم کر دیا کرتے تھے۔

حضرت علیؓ اسلام کے چوتھے خلیفے تھے، آپ نے بچپن سے لے کر جوانی تک کا عرصہ حضور ﷺ کے ساتھ ہی گذارا۔ جب نماز کا وقت آتا تو آپؓ پر کپکپی طاری ہو جاتی۔ جب لڑائی میں آپؓ کو تیر لگ جاتے تو وہ تیر حالت میں نماز میں نکالے جاتے تھے۔

دیکھیں ان اشخاص کی اپنی پروردگار سے محبت اور اگر ہم اپنے آپ پر غور کریں تو یہ کہتے ہوئے شرم محسوس ہوتی ہے۔ ہم تو نماز سے بھاگنے کے بہانے تلاش کرتے ہیں اور نفل، سنتیں نہیں پڑھتے بلکہ آج کل تو لوگ مسجد میں سیاسی گفتگو کرنے، شرارتیں کرنے اور اپنے



Marfat.com

پروردگار کو ناراض کرنے جاتے ہیں اور اپنے آپ کو اشرف المخلوقات اور خدا سے عشق کرنے والے کہلاتے ہیں۔

عشق خدا سے خوفِ خدا کا بہت قریبی رشتہ ہے، کیونکہ خدا سے محبت ہی بندے کو خدا کا خوف دلاتی ہے اور وہ ہمیشہ اس بات کا خیال رکھتا ہے کہ اس کا پروردگار ناراض نہ ہو جائے اور ان تمام باتوں پر عمل کرتا ہے، جس پر چل کر وہ خدا کی خوشنودی حاصل کرتا ہے۔ میری خدا سے دعا ہے کہ وہ ہمیں صحیح راہ پر چلنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین۔

***

# آدابِ دعا

سکندر علی لغاری

جماعت: دوازدہم

اللہ تبارک و تعالیٰ خلاّق عالم ہیں، قادرِ مطلق ہیں، اپنی ذات وصفات میں یکتا، خیر الغافرین اور ارحم الرّاحمین ہیں۔ بارگاہِ رب العزت میں دعا کرنا ذکرِ الٰہی ہے، عین عبادت ہے اور ہمارا اظہارِ بندگی اور مظہر ایقانِ و توکل بھی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے قرآنِ حکیم میں فرمایا ہے:

وَ قَالَ رَبُّكُمُ ادْعُوْنِیْۤ اَسْتَجِبْ لَكُمْ ؕ اِنَّ الَّذِیْنَ یَسْتَكْبِرُوْنَ عَنْ عِبَادَتِیْ سَیَدْخُلُوْنَ جَهَنَّمَ دٰخِرِیْنَ۠ ﴿۶۰﴾

"اور تمہارے ربّ نے فرمایا ہے، مجھ سے دعا مانگا کرو۔ میں تمہاری دُعائیں قبول کروں گا۔ بے شک جو لوگ ازراہِ تکبر میری عبادت سے سر تابی کرتے ہیں، یقیناً وہ ذلیل وخوار ہو کر جہنم میں داخل ہوں گے۔"

اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا کہ "تم میں سے جس شخص کیلیے دعا کا دروازہ کھول دیا گیا (یعنی دعا مانگنے کی توفیق دے دی گئی) اس کیلیے رحمت کے دروازے کھول دے ے گئے ہیں۔" قولِ رسول ﷺ ہے کہ "دعا کے سوا کوئی چیز قضا (یعنی تقدیر کے فیصلے) کو رد نہیں کر سکتی۔" مطلب یہ کہ اللہ تعالیٰ کے ہاں یہ طے ہے کہ یہ شخص اللہ تعالیٰ سے دُعا مانگے گا، اس لیے اس بلا سے بچ جائے گا۔ قضا و قدر سے بچنے کی کوئی تدبیر فائدہ نہیں دے سکتی، بجز یہ کہ اللہ تعالیٰ سے دُعا مانگی جائے۔ دعا اس آفت و مصیبت میں بھی نفع پہنچاتی ہے، جو نازل ہو چکی ہے اور اس مصیبت میں جو ابھی تک نازل نہیں ہوئی۔ بلا نازل ہونے کو ہے اگر دل سے دعا



Marfat.com

مانگی جائے تو مصیبت لوٹ جاتی ہے۔ پس عزیز الحکیم کے رحم و فضل سے انسان (دعا کی بدولت) اس بلا سے بچ جاتا ہے۔

دعا کے ساتھ توکل علی اللہ، اخلاصِ نیت، نیک عمل اور صبر و استقامت ضروری لوازم ہیں۔ اخلاص کے ساتھ مانگی ہوئی دعا، جو دل کی گہرائی سے نکلے، وہ ذاتِ باری تعالیٰ کے اختیارِ کل اور توحید پر ایمان کو ظاہر کرتی ہے۔ پورے بھروسے اور ایقان کے ساتھ اس ذات وحدہٗ لاشریک سے دُعا مانگنا ہی بندگی اور اسکی شانِ رحیمی اور شانِ کبریائی کا اقرار ہے، کیونکہ خود باری تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ: "مجھ سے دعا مانگو: میں دعاؤں کا سننے والا ہوں"۔ اسے یہ بات پسند ہے کہ اسکی بارگاہِ رحمت میں سجدہ ریز ہوا جائے، اس کے آگے دستِ سوال اور دامنِ حاجت دراز کیا جائے، اس سے گڑگڑایا جائے اور اسی سے مدد حاصل کی جائے۔

ایمانِ کامل، نیک عمل، اوامر ونواہی کی پابندی، روزِ جزا کے احساس کا خوف ہی دراصل اسکے بتائے ہوئے دین کا سیدھا راستہ ہے۔ پس دعاؤں کو مستجاب بنانے اور دین و دنیا میں خیر و فلاح حاصل کرنے کیلیے خوفِ خدا، تقویٰ اور اعمالِ صالح بنیادی شرائط ہیں۔ مزید برآں سائل کو صاحبِ صبر بھی ہونا چاہیے۔ پورے خشوع و خضوع سے جائز امر کیلیے دعا مانگ کر صبر کے ساتھ اللہ کی رحمت پر توکل اور اسکی رُضا پر سر تسلیم خم چاہیے، کیونکہ صدقِ دل سے مانگی ہوئی دعا کسی صورت میں بھی رائیگاں نہیں جاتی، نہ جانے ہماری کس دُعا کی قبولیت باری تعالیٰ کو کس صورت منظور ہو جائے۔ اگر اس غفور الرّحیم کے نزدیک قرینِ مصلحت نہ ہو تو ہماری مراد پوری کر دی جائے، اگر فوراً مراد پوری کرنا قرینِ مصلحت ہو تو مناسب وقت پر وہ پوری کر دی جائے، ورنہ اسکا بہتر نعم البدل دنیا یا آخرت میں دے دیا جائے یا کسی آنے والی مصیبت و بلا کو ٹال دیا جائے۔ غرض کہ اس خیر الرّاحمین سے دعا مانگنے کا اجر تو بہر صورت مل ہی جاتا ہے۔ بشرطیکہ انسان خود بے صبر ہو کر دعا سے ہاتھ نہ کھینچ لے، یا بے حقیقت سہاروں کی تلاش میں گم نہ ہو جائے۔ صبر و استقامت ضروری لوازم ہیں۔ اسے یہ بات پسند ہے کہ اس کی بارگاہِ رحمت میں سجدہ ریز ہوا جائے، اس کے آگے دستِ سوال اور دامنِ حاجت دراز کیا جائے، اس سے گڑگڑایا جائے اور اسی سے مدد حاصل کی جائے۔

سورۃ بقرہ میں ارشادِ ربّانی ہے:



Marfat.com

وَ اِذَا سَاَلَكَ عِبَادِیْ عَنِّیْ فَاِنِّیْ قَرِیْبٌ ؕ اُجِیْبُ دَعْوَةَ الدَّاعِ اِذَا دَعَانِ ۙ فَلْیَسْتَجِیْبُوْا لِیْ وَلْیُؤْمِنُوْا بِیْ لَعَلَّهُمْ یَرْشُدُوْنَ ﴿۱۸۶﴾

"اور (اے نبی) میرے بندے اگر تم سے میرے متعلق پوچھیں تو انہیں بتادو کہ میں ان سے قریب ہی ہوں۔ پکارنے والا جب مجھے پکارتا ہے، میں اسکی پکار سنتا اور جواب دیتا ہوں۔ لہٰذا انہیں چاہیے کہ میری دعوت پر لبیک کہیں اور مجھ پر ایمان لائیں۔ یہ بات تم انہیں سنادو شاید کہ وہ راہِ راست پالیں۔"

اللہ تعالیٰ ہر بندے سے اتنا قریب ہے کہ ہر انسان جب چاہے اس سے عرض معروض کر سکتا ہے۔ کائناتِ بے کراں کا فرمان روائے مطلق، تمام اختیارات اور تمام طاقتوں کا مالک، تمام مخلوقات کا خالق، اپنے ہر بندے سے اتنا قریب ہے کہ ہم براہِ راست، ہر وقت اور ہر جگہ اپنے کلماتِ گذارش اور صدائے دل اسکی بارگاہ میں پیش کر سکتے ہیں۔ اسی کی وہ تاکید کرتا ہے کہ میرا دامن پکڑلو، میری طرف رجوع کرو، مجھ پر بھروسہ کرو، میری بندگی اور اطاعت میں آجاؤ۔ خدا ہمیں انہی خطوط پر عمل کی توفیق عطا فرمائے۔ (آمین)

## حوالہ جاتِ کُتب

(۱) مستحب دعائیں: از مولانا محمّد مبارک پوری،

(۲) آؤ دُعا مانگیں: از حفیظ ہوشیار پوری۔

***

# ماہِ رمضان کی برکات

محمد علی زبیر

جماعت: دوازدہم

رمضان سال کا وہ مہینہ، جس میں انسان گناہوں سے پاک ہو سکتا ہے، وہ مہینہ جس میں شیاطین قید ہو جاتے ہیں اور وہ مہینہ جس میں جنت کے دروازے کھل جاتے ہیں۔ یہ وہ مہینہ ہے، جس کے لیے حضور اکرم ﷺ نے فرمایا:

"جب رمضان کی پہلی رات آتی ہے تو شیاطین قید ہو جاتے ہیں اور دوزخ کے سارے دروازے بند کر دیئے جاتے ہیں۔ ان میں سے کوئی بھی دروازہ کھلا نہیں رہتا اور جنت کے تمام دروازے کھول دیئے جاتے ہیں، ان میں سے کوئی بھی دروازہ بند نہیں رہتا اور خدا کا منادی پکارتا ہے کہ اے بھلائی اور خیر کے طالب آگے بڑھ! اور اے برائی اور بد عملی کے شائق رک! اور خدا کی طرف سے بہت سے نافرمان بندوں کو دوزخ سے رہائی بخشی جاتی ہے اور یہ رمضان کی ہر رات میں ہوتا ہے۔"

"رمضان کا مقصد مسلمانوں کو روزے رکھنے" پر پابند کرنا ہے اور روزے کا اصل مقصد، قرآن میں "لعلکم تتقون" تاکہ تم میں تقویٰ پیدا ہو: بتایا گیا ہے۔

رمضان کو صحیح طور پر گزارنے کے لیے اور کچھ بھی نہیں بلکہ صرف جائز اور حقیقی روزہ رکھنا ہے۔ صبح صادق سے لے کر غروبِ آفتاب تک کھانے پینے سے گریز کرنا، جنسی تعلقات سے پرہیز کرنا اور جھوٹ بولنے سے کنارا کرنا ہے۔

رمضان کا مقصد انسان کو فاقے کرانا نہیں ہے بلکہ اس میں تقویٰ پیدا کرنا ہے۔ اپنے نفس سے لڑنے کی طاقت پیدا کرنا ہے۔ اپنی خواہشات کے خلاف زندگی بسر کرنا ہے، یہی



Marfat.com

رمضان کے مہینے کو گزارنے کا طریقہ ہے، یہی رمضان کا مقصد ہے۔ اسی میں انسانیت کی بھلائی ہے۔

رمضان کے مہینے میں اللہ کی برستی نعمتیں ان گنت ہیں، ان نعمتوں کو پکڑنا ہی رمضان گزارنے کا طریقہ ہے، رمضان کے مہینے میں شیاطین قید ہو جاتے ہیں، ان کے شر سے بچنا ہی رمضان گزارنے کا طریقہ ہے، رمضان کے مہینے میں دوزخ کے دروازے بند ہو جاتے ہیں، ان دروازوں کی دہلیز سے پلٹنا ہی رمضان گزارنے کا طریقہ ہے۔ رمضان کے مہینے میں جنت کے دروازے کھل جاتے ہیں۔ ان دروازوں پر دستک دینا ہی رمضان گزارنے کا طریقہ ہے۔ رمضان کے مہینے میں اللہ بخشنے کا وعدہ کرتا ہے۔ اپنے گناہوں کو آگ لگانا ہی رمضان گزارنے کا طریقہ ہے۔ رمضان کے مہینے میں قرآن مکمل طور پر نازل ہوا، اس کی تلاوت کرنا ہی رمضان گزارنے کا طریقہ ہے۔ رمضان کے مہینے میں روزے فرض کیے گئے۔ اس فرض کو نبھانا ہی رمضان گزارنے کا طریقہ ہے۔

انسان خطا کا پتلا ہے، وہ اپنی پوری زندگی اپنے نفس کو خوش کرنے اور اپنی خواہشات کو پورا کرنے میں گزار دیتا ہے۔ اور اس راہ میں کئی گناہ کرتا ہے۔ لیکن اللہ کبھی بھی اپنے بندوں کو سزا نہیں دینا چاہتا۔ صرف ایک مہینے کے لیے حکم ہے کہ آؤ اور اپنے گناہوں سے پاک ہو جاؤ۔ اللہ تعالیٰ نے اس مہینے میں روزے فرض کیے۔ قیام لیل اور تلاوتِ قرآن کا انتظام فرمایا، تاکہ مومنین میں روحِ جہاد مردہ نہ ہو جائے۔ وہ قرآن سن کر یا پڑھ کر اپنا منصب اور فریضہ، شعور کے ساتھ ذہنوں میں تازہ کر سکیں۔

حضور اکرم ﷺ نے فرمایا: "اس مہینے کا ابتدائی حصہ رحمت ہے، درمیانی حصہ مغفرت ہے اور آخری حصہ آتشِ جہنم سے نجات ہے۔" ؎

ایک اور جگہ حضور اکرم ﷺ نے فرمایا: "اس مہینے میں جو شخص خدا کا قرب حاصل کرنے کے لیے اپنی خوشی سے کوئی نفل ادا کرے گا، وہ دوسرے مہینوں کے فرض کے برابر اجر و ثواب پائے گا اور جو کوئی ایک فرض ادا کرے گا، وہ دوسرے مہینوں کے ستر فرضوں کے برابر اجر و ثواب کا مستحق ہو گا۔"

اس رحمت کو پانے کی کوشش میں رمضان گزارا جائے۔ مغفرت پانے کی کوشش میں رمضان گزارا جائے۔ جہنم سے نجات کی کوشش میں رمضان گزارا جائے۔ نفل کو فرض



Marfat.com

کرنے میں رمضان گزارا جائے۔ فرض کو ستر فرائض کے برابر کرنے میں رمضان گزارا جائے۔ گناہوں کو جڑ سے مٹانے کے لیے رمضان گزارا جائے۔ اپنی خواہشات اور نفس پر قابو پانے کی کوشش میں رمضان گزارا جائے اور اللہ کی خوشنودی حاصل کرنے کے لیے رمضان گزارا جائے۔

***

# اسباب زوال امت

نائب صوبیدار انور حسین

سندھ رجمنٹ

کبھی اے نوجواں مسلم تدبر بھی کیا تونے
وہ کیا گردوں تھا جس کا ہے تو اک ٹوٹا ہوا تارہ

حکیم الامت نے اس شعر میں مسلمان قوم کو اس کے زوال اور پستی کی طرف متوجہ کیا ہے اور اس کے فکر کی دعوت دی ہے، تاکہ وہ خود سوچے کہ آخر اس کے زوال اور پستی کی کیا وجوہات ہیں؟

یہ مسلمان قوم وہی تھی، جس نے عرب کے جاہل بدوؤں کو مہذب قوم میں تبدیل کر دیا۔ ترقی اور غلبہ ان کے قدم چومتے تھے۔ ایران، روم اور ہسپانیہ غرض کہ دنیا کی تمام بڑی بڑی سلطنتیں ان کی محکوم تھیں۔ زندگی کے ہر شعبہ میں وہ راہ نما تھے، سائنس ہو یا ادب، جنگ ہو یا امن، علم ہو یا عمل، مہم جوئی ہو یا سفر، اخلاقیات ہو یا علمیات، عبادات ہوں یا معاملات، جہاد ہو یا معاہدے، غرضیکہ مسلمان تو ہم ہر اچھی جگہ سرفہرست نظر آتی تھی۔

مگر وقت کے ساتھ ساتھ آہستہ آہستہ یہ اعلیٰ وارفع قوم آسمانوں کی بلندیوں سے گر کر زمین میں دھنستی چلی گئی۔ وہ قوم جو دوسری اقوام پر حکومت کرتی تھی، خود محکوم ہو گئی۔ علم سے اس کا دور کا بھی واسطہ نہ رہا۔ سائنس اور ترقی ان کے ہاں کفر سمجھی جانے لگی۔ برے حالات کو تقدیر سمجھ کر اصلاح کے دروازے بند کر دیے گئے۔ جہاد کی جگہ سستی، کاہلی اور حکام کی خوشامد نے لے لی اور یہ در در کی ٹھوکریں کھانے لگے۔

کسی ادیب نے کیا خوب کہا ہے۔ "انسان کی زندگی میں دو ایسے واقعات ہیں، جن کا بالکل ٹھیک وقت ہم نہیں بتا سکتے: ایک ہے نیند کا آنا کوئی شخص بھی آج تک نیند کا کوئی خاص



Marfat.com

وقت متعین نہ کر سکا کہ کب جا۔ گننے والا سو جاتا ہے اور دوسرا ہے قوموں کا عروج و زوال، کوئی شخص یقین سے نہیں کہہ سکتا کہ فلاں قوم زوال فلاں تاریخ سے شروع ہو گا۔ پتا تب چلتا ہے جب تباہی زور پکڑ جا چکی ہوتی ہے۔ یہ بات دوسری قوموں کے زوال کی طرح مسلمان قوم کے زوال پر بھی صادق آتی ہے۔

مسلمان قوم بنیادی طور پر اسلام کے نظریہ پر قائم ہوئی تھی، اور اسلام نے جو تعلیمات دیں ان پر کاربند رہ کر ہی یہ قوم بام عروج کی منازل طے کر سکتی تھی۔ یہ تعلیمات صرف عبادات پر ہی زور نہیں دیتیں، بلکہ انہیں معاملات، معاشرت، معیشت، سائنس اور ادب غرض یہ ہر شعبہ زندگی میں کمال حاصل کرنے پر زور دیتی تھی، لیکن آہستہ آہستہ اس قوم نے دین اسلام کو ایک مذہب کے حیثیت دے دی۔ جس میں چند عبادات کی ادائیگی کر کے پیروی رسول ﷺ کے تقاضے پوری کر دیئے گئے۔ اس میں چیدہ چیدہ اسباب یہ ہیں، جو مسلمان قوم کے زوال کا سبب بنے:

## دین سے روگردانی

مسلمان قوم ایک نظریاتی قوم ہے اور یہ صرف اسی نظریہ پر ہی قائم رہ سکتی تھی۔ دین کی اصل تعلیمات کو جو ان کی دنیاوی زندگی کے ہر شعبے میں رہنمائی پہنچاتی ہیں نظر انداز کر دیا۔ اسلام دین کی بجائے مذہب کی شکل اختیار کرتا چلا گیا۔ لوگوں نے دین اور دنیا کے الگ الگ شعبے بنا دیے۔ دنیاوی کاموں میں لوگوں نے دین سے راہنمائی لینا چھوڑ دی۔ نتیجہ یہ ہوا کہ اسلام کی برکتیں، ان کی زندگی کے مختلف شعبوں سے اٹھتی گئیں۔ اور وہ تیزی سے تنزلی کی راہ پر گامزن ہو گئے۔

## اخلاقی پستی

کسی قوم کی ترقی میں اس کا اخلاقی معیار ایک اہم کردار ادا کرتا ہے۔ تاریخ کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ جب خلافت ملوکیت میں تبدیل ہو گئی، تو مسلمانوں کے اخلاقی معیار میں کمی ہونا شروع ہو گئی اور اخلاقی پستی کا شکار ہوتے چلے گئے، اسلام نے جس غلامی کو ختم کیا تھا مسلمان بادشاہوں نے چند وظیفہ خور علماء کے فتوؤں کے سہارے، لونڈیوں کے بازار لگا



Marfat.com

دے۔ شراب نوشی بھی ان میں زور پکڑ گئی۔ اس کا اثر عوام پر بھی ہوا۔ انہوں نے بھی ان برائیوں کو برائی نہ سمجھا اور وہ بھی ان برائیوں کا شکار ہوتے چلے گئے۔

برائیوں کا عروج ہندستان میں مغلیہ سلطنت کے آخری دور میں دیکھتے ہیں۔ جب دہلی اور ہندوستان کے بڑے بڑے شہروں کی گلیوں میں رقص سرور شراب و کباب کے اڈے قائم ہو گئے تھے۔ یہ اخلاقی پستی اس حد تک پہنچ گئی تھی کہ خدا کے صبر کا پیمانہ لبریز ہو گیا۔ اس لیے خدا تعالیٰ نے انہیں انگریزوں کے ہاتھوں ایسا ذلیل کیا کہ تاریخ میں وہ عبرت کا سامان بن کر رہ گئے۔

## جہاد سے اغماض

کسی قوم کی بقاء کا انحصار اس کی دفاعی صلاحیت پر ہے۔ جو قوم اپنا دفاع نہیں کر سکتی، وہ دوسری قوموں کا تر نوالہ بن جاتی ہے۔ مسلمان قوم جب حربی مقاصد کے لیے اٹھے تو اس کے لیے ضروری ہے کہ وہ اپنے اندر ایک زبردست جنگی صلاحیت پیدا کرے۔ اس لیے اسلام نے جہاد کا درس دیا۔ جس کی بنیاد پر مسلمان قوم دنیا کی مضبوط ترین قوم بن کر رہ گئی۔ لیکن رفتہ رفتہ یہ قوم جہاد سے کترانے لگی، مسلمان بادشاہوں نے جہاد کی طرف توجہ نہ کی۔ جس کی وجہ سے، اس قوم کی دفاعی قوت کمزور ہوتی گئی اور جب دوسری قوموں نے ان پر حملہ کیا تو انہوں نے آسانی سے ہتھیار ڈال دیے۔

## اندرونی خلفشار

جس طرح کسی قوم کی بقاء کے لیے بیرونی طور پر محفوظ رہنے کے لیے دفاعی صلاحیت کا ہونا ضروری ہے۔ اسی طرح اندرونی طور پر ملک کے افراد میں باہمی اتفاق و محبت کا ہونا بھی ضروری ہے۔ اگر کسی قوم کے افراد آپس میں ہی لڑائی جھگڑے کرنا شروع کر دیں تو قوم اندر سے کھوکھلی ہو جاتی ہے اور یہ کھوکھلا پن ان کے زوال کا سبب بنتا ہے۔

سقوط بغداد کی یہ حقیقت ہمارے سامنے روز روشن کی طرح واضح ہے کہ بغداد کی گلی کوچوں میں مختلف فقہی مذاہب کے پیروکاروں کے درمیان مناظرے اور فحش گو شاعروں کی محفلیں سجا کرتی تھیں۔ ایک دوسرے کے خلاف حقارت اور نفرت زور پکڑ گئی تھی۔



Marfat.com

بادشاہ وقت ان مناظروں کی سرپرستی کر کے تعصب و نفرت کو مزید ہوا دیتے تھے۔ یہی وجہ ہے کہ جب ہلاکوں خان نے بغداد پر حملہ کیا تو اسے اتنی وسیع و عریض مسلم حکومت کو فتح کرنے میں کوئی دشواری پیش نہ آئی۔

## علم جدید و عصری تقاضوں سے روگردانی

یہ کائنات اور اس کے قوانین اللہ تعالیٰ کے بنائے ہوئے ہیں۔ زمیں سورج، چاند، پہاڑ، مادی اور غیر مادی چیزیں اور ان کے مختلف عوامل دراصل خدا ہی کے تخلیق کردہ ہیں۔ سائنس انہی چیزوں کی دریافت اور ان کو سمجھنے کا نام ہے۔ سائنس بھی اسی لحاظ سے اسلامی علم ہے۔ کیونکہ اس کی معرفت سے ہم خدا کی حقیقت اور اس کے قوت کو بہتر سمجھ سکتے ہیں۔

عہد اولیٰ کے مسلمان اس حقیقت سے آگاہ تھے۔ اس لیے انہوں نے علم سائنس کی طرف توجہ دی۔ حتّیٰ کہ عہد وسطیٰ میں مسلمانوں کا سائنسی شعور عروج پر تھا۔ ریاضی ہو یا کیمیا، طبعیات ہو یا علم حیوانات یا نباتات یا فلکیات، ہر شعبہ میں سرفہرست تھے۔ ان کی لکھی ہوئی کتابیں یورپ میں پڑھائی جاتی تھیں اور یورپ سے لوگ ان سے سائنس کا علم حاصل کرنے آتے تھے۔

مسلمان سائنس دانوں کی تصانیف، آج بھی یورپ میں محفوظ ہیں اور ان سے بنیادی امور پر آج بھی استفادہ کیا جاتا ہے۔ علامہ اقبال نے اس صورت حال سے متاثر ہو کر بیان فرمایا۔

مگر وہ علم کے موتی کتابیں اپنے آبا کی
جو دیکھیں ان کو یورپ میں تو دل ہوتا ہے سی پارہ

افسوس کہ مسلمانوں نے سائنس سے روگردانی کی تو ان کی تنزلی کی راہیں کھل گئیں۔ سائنسی قوت غیر مسلموں کے ہاتھوں میں چلی گئی۔ غیر مسلمانوں نے سائنس کے بل بوتے پر جدید ترین ہتھیار بنا لیے اور مسلمان بے چارا تلوار ہی گھماتا رہا۔ غیر مسلم نے طبعیات اور کیمیا پر تجربات کر کے سیاروں کو مسخر کر لیا اور مسلمان خواب و خیال اور خام خیالی کے صحراؤں میں بھٹکتا رہا، یا پھر آپس میں دست و گریبان ہو گیا۔



Marfat.com

## کاہلی اور تن آسانی

آ تجھ کو بتاؤں کہ تقدیر امم کیا ہے
شمشیر و سناں اول طاؤس و رباب آخر

اس شعر میں اقبالؒ نے دراصل کسی قوم کے زوال کی سمت اور طریقہ کی جامع نشاندہی کی ہے، یہ حالت خاص طور پر مسلم قوم پر صادق آتی ہے۔ مسلمان قوم جہاد کے زور پر اٹھی پھر یہ سستی، کاہلی، عیاشی اور نغمہ سرائی میں اس قدر منہمک ہو گئی کہ اسے نیند آ گئی۔

اللہ تعالیٰ نے اس کائنات کو مکافاتِ عمل پر تخلیق کیا ہے۔ اور اسی عمل پر یہ دنیا چل رہی ہے، جو انسان محنت کرے گا، وہ پھل پائے گا اور جو نہیں کرے گا، وہ نہیں پائے گا۔ کسی قوم یا فرد کی حالت بدلنے کے لیے، خود اس فرد یا قوم کی کوشش و سعی انتہائی ضروری ہے، یا یوں کہہ سکتے ہیں کہ اتنی ضروری ہے جتنا کہ مچھلی کیلیے پانی۔ اور یہ قانون مسلم اور غیر مسلم سب کے لیے برابر ہے۔ خدا کا قانونِ مکافاتِ عمل تمام انسانوں کے لیے ہے۔ وہ کسی قوم کے دن، رنگ، نسل اور زبان کی بنیاد پر رعایت نہیں کرتا۔ یہ نہیں ہو سکتا کہ اگر کافر محنت کر کے چاند پر پہنچے تو خدا اس کی ٹانگیں توڑ کر اسے نیچے پھینک دے کہ جا تو کافر ہے۔ تو چاند پر قدم نہیں رکھ سکتا اور یہ بھی نہیں ہو سکتا کہ اگر کوئی مسلمان چارپائی پر بیٹھا ہوا ہو تو خدا تعالیٰ اسے اڑا کر چاند پر پہنچا دے کہ تو مسلمان ہے۔ وہاں فرشتے ہاتھ لمبے کر کے اسے اوپر مرحبا مرحبا کہتے ہوں ہمارا عزیز آ گیا ہے۔ ایسا نہ کبھی ہوا ہے اور نہ کبھی ہو گا۔ کیونکہ خدا کا قانون اٹل ہے اور اس میں تبدیلی نہیں ہو سکتی۔

## ذہنی و عملی انحطاط

کسی قوم کی ذہنی و عملی حالت اس کے عروج و زوال کی نشاندہی کرتی ہے۔ اسلام نے عرب کے بدوؤں کی ذہنی و عملی حالت کو اس انداز سے تبدیل کیا کہ وہ ذہنی و عملی پسماندگی کی گہرائیوں سے نکل کر بلندیوں کو چھونے لگے۔ اسلام نے ان کے خوابیدہ قوتوں کا احساس دلایا اور جہالت و گمراہی کے اندھیروں سے نکل کر یہ قوم دنیا کی سب سے اعلیٰ، عالم اور مہذب قوم بن گئی۔ وقت کے ساتھ ساتھ جس طرح دوسری خرابیاں مسلمان میں سرایت کرتی چلی گئیں۔ اسی طرح ان میں ذہنی و عملی انحطاط کی خرابی بھی سرایت کر گئی۔ ذہنی



Marfat.com

پسماندگی کی ایک علامت یہ بھی تھی کہ مسلمانوں نے اپنی بگڑے ہوئے حالت کو تقدیر کا فیصلہ سمجھ لیا اور اصلاح احوال کی بجائے صبر و شکر کر کے قناعت کر لی۔ مسلمانوں کے ہاں تقدیر کی غلط تشریح نے ایسا جنم لیا کہ مسلمان جمود کا شکار ہو گئے۔ جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ مسلمان ترقی کی سیڑھی پر پھلستے ہوئے نیچے آ گئے۔ کیونکہ ان کے نزدیک تقدیر کے سامنے تمام قوتیں۔ بے بس ہیں۔

یہ تھے چند خاص اسباب، جن کی وجہ سے آج امت مسلمہ زوال کا شکار ہے۔ اور ان اسباب کا ازالہ اس طرح ممکن ہے کہ ہم قرآن و سنت کے بتائے ہوئے راستوں پر پھر سے گامزن ہو جائیں۔ آمین

***



Marfat.com

# مسلمانوں کے زوال کے اسباب

کیڈٹ محمد ثاقب

کلاس: دہم

تاریخ اسلام میں یہ بات کتنی حیرت انگیز ہے کہ اسلام سے پہلے یعنی دور جاہلیت میں جب لوگ ایک دوسرے کے جانی دشمن تھے، قبیلوں میں بٹے ہوئے تھے۔ ایک قبیلہ دوسرے قبیلے کا دشمن تھا، بیٹیوں کو زمین میں زندہ گاڑھ دیتے تھے، زیادہ شادیاں ان لوگوں میں عام تھیں۔ اخوت بلکل نہ تھی، قانون کا کوئی تازیانہ نہ تھا۔ طاقتور قبیلہ کمزور قبیلہ پر حملہ کر کے، اس قبیلے پر فوقیت حاصل کر لیتا تھا اور اس قبیلے کے لوگوں کو اپنا غلام بنا لیتے تھے اور عورتوں کو اپنے حرم میں ڈال لیتے تھے۔ امیر و غریب کا فرق روا رکھا ہوا تھا۔ چھوٹے بڑے کی کوئی تمیز نہ تھی۔ ان لوگوں کے جتنے بھی چلن تھے، وہ سب وحشیانہ تھے۔

ایسے میں اللہ تعالیٰ کی رحمت کو جوش آیا اور اس نے لوگوں کی طرف ایک مشعل راہ بھیجی، جس کی روشنی سے یہ لوگ متحد ہو کر ایک بڑی طاقت بن گئے اور یہ طاقت مسلمان کہلائی۔ وہ مشعل راہ حضور اکرم ﷺ کی شخصیت تھی، جنہوں نے ان لوگوں کو جہالت کے اندھیرے سے نکال کر، روشنی کی راہیں دکھائیں۔ امیر و غریب اور چھوٹے بڑے کا فرق ختم کیا اور مساوات کا درس دیا۔ حکیم الامت شاعر مشرق علامہ اقبال نے بھی کیا خوب کہا ہے۔

ایک ہی صف میں کھڑے ہوگئے محمود و ایاز
نہ کوئی بندہ رہا نہ کوئی بندہ نواز

آپ ﷺ کی وفات کے بعد، مسلمان جزیرۃ العرب سے نکل پڑے اور پھر جہاں بھی ظلم کا اندھیرا دیکھا، وہاں عدل کی روشنی پھیلائی اور پیار و محبت کا سبق دیا اور امن قائم کیا۔ مسلمان اتنے متحد ہو گئے تھے کہ، اس دور کی مشہور سلطنتیں یعنی ایران اور روم جن کے بادشاہوں کے القاب قیصر و قصریٰ تھے ان کے محلوں کی دیواروں کو ہلا کے رکھ دیا۔



Marfat.com

قدرت نے ایک قانون بنا رکھا ہے کہ جو قوم عروج کے زینے پر چڑھتی ہے وہ قوم زوال پذیر بھی ہوتی ہے۔ جب وہ انسانیت کو چھوڑ کر ظلم اپنانے اور شہوت رانی میں مبتلا ہو جائے، یہی حال مسلمانوں کے ساتھ ہوا۔ حضور اکرم ﷺ کی وفات کے بعد خلفاء راشدین آئے۔ شروع کے تین خلفائے راشدین یعنی حضرت ابو بکر صدیقؓ، حضرت عمر فاروقؓ اور حضرت عثمانؓ۔ حضرت عثمانؓ کے زمانے میں بغاوت کے شعلے بھڑکے تھے، ان بغاوتوں کے شعلوں کی لپیٹ میں آکر وہ شہید ہو گئے۔ اس کے بعد حضرت علیؓ آئے، وہ اس بغاوت کو بجھا نہ سکے۔ سرور کونینؐ نے بھی اس بات کی پیشگوئی کی تھی "میری امت میں سب سے بہتر زمانہ میرا زمانہ ہے۔ پھر اس کے بعد والوں کا پھر اس کے بعد والوں کا، پھر تمہارے بعد ایک قوم آئے گی جو شہادت دے گی، حالانکہ ان سے شہادت طلب نہ کی جائے گی یہ لوگ خائن ہونگے۔ امانت دار نہیں، یہ نذریں مانیں گے، مگر انہیں پورا نہیں کریں گے اور ان میں موٹاپا عام ہو جائے گا۔" حضرت علیؓ کی وفات کے بعد بہت سے مسلمان خلفاء آئے، لیکن مسلمانوں کی ڈوبتی کشتی کو بچا نہ سکے ان بادشاہوں میں سے کچھ تو ظلم کرتے تھے اور کچھ انصاف کرنے والے۔

تاریخ اسلام میں شروع سے اب تک جتنے بھی انقلاب آئے ہیں اور حکومت چلانے کے اعتبار سے جو واقعات رونما ہوئے ہیں ان سب کا خاکہ حضور اکرم ﷺ نے پہلے ہی پیش کر دیا تھا۔ فرمایا "اس حکومت کا آغاز رحمت اور نبوت سے ہوا ہے، پھر یہ رحمت اور خلافت ہو گی۔ اس کے بعد جبری سلطنت بن جائے گی، پھر یہ تصدد اور فساد میں تبدیل ہو جائے گی۔ مسلمان بادشاہ ریشم اور شراب کو حلال کر لیں گے اور شہوت رانی میں مبتلا ہو جائیں گے۔ ان کو اس کے مواقع ملیں گے، یہاں تک کہ وہ خدا سے حاسد ہو جائیں گے۔

غرض مسلمان جب تک اسلامی قوانین پر عمل کرتے رہے، وہ برابر ترقی کرتے رہے اور جب اسلامی قوانین پر عمل کرنا چھوڑ دیا، تو ان کا تنزل ہونے لگا۔

لہٰذا ہمیں چاہیے کہ اپنی گزشتہ غلطیوں کا ازالہ کریں اور اللہ کے حضور میں صدق دل سے اپنے پچھلے گناہوں کی معافی مانگیں۔ آنحضرت ﷺ کا ارشاد ہے کہ " اس امت کا آخر انہی طریقوں سے اصلاح یاب ہو گا، جن سے اس امت کے اول کی اصلاح ہوئی تھی۔

***



Marfat.com

# جہاد فی سبیل اللہ

کیڈٹ تیمور خان

کلاس: یازدہم

جہاد کے لغوی معنی کوشش اور جدوجہد کے ہیں، لیکن شریعت کی اصطلاح میں جہاد، اس لڑائی یا جنگ کا نام ہے جو اسلام کی حقانیت اور سربلندی یا مملکت اسلامیہ کی آزادی اور تحفظ، غیر مسلم یا باغیوں سے کی جائے علمائے حق نے قرآن و سنت کی روشنی میں جہاد کو لازمی قرار دیا ہے، جبکہ شریعت اسلامیہ میں جہاد کے لیے احکامات اور مجاہدین کے بہت زیادہ درجات ہیں۔ صحیح بخاری، صحیح مسلم اور احادیث کی تمام کتابوں امام ابوحنیفہؒ، امام شافعیؒ، امام مالکؒ، امام احمد بن حنبلؒ اور دیگر علمائے کرام کی فقہ اور کتابوں میں الجہاد کے عنوان سے باقاعدہ احادیث اور احکام الجہاد کی تمام جزئیات کو جمع کر دیا گیا ہے، جس میں جہاد سے لے کر شہادت تک کے احکام کی تفصیلات موجود ہیں۔ اسلام نے جو کہ ایک مکمل ضابطہ ء حیات ہے اور ایک عالمگیر مذہب ہے، جہاد کو اتنا آسان قرار نہیں دیا کہ تلوار اٹھائی اور مجاہد بن گئے بلکہ ایک شرط بھی فوت ہو جائے تو اس جنگ کو جہاد سے تعبیر نہیں کیا جائے گا۔ اور اگر معمولی سا بھی نیت میں فرق آیا جائے مجاہد تو جہاد کے ثواب سے محروم ہو جاتے ہیں۔

حدیث شریف میں آتا ہے کہ:

"قیامت کے دن ایک شخص اللہ تعالیٰ کے دربار میں پیش ہو گا، رب کائنات سوال کریں گے۔ دنیا میں میرے لیے تم نے کیا کیا؟ وہ عرض کرے گا میں نے آپ کے دین کی سربلندی کے لیے جہاد میں حصہ لیا۔ بہادری اور شجاعت سے لڑا۔ دشمنوں کی صفوں میں گھس کر، مردانہ وار ان کا مقابلہ کیا اور ان کا قلع قمع کر دیا، آخر کار بہادری اور شجاعت سے



Marfat.com

مقابلہ کرتا ہوا شہادت کے مرتبہ پر فائز ہوا اور اپنی جان کا نذرانہ تک پیش کر دیا۔ رب کائنات فرمائیں گے کہ، تم نے دنیا میں اپنی بہادری او شجاعت دکھانے کے لیے یہ سب کچھ کیا تا کہ لوگ تمہاری بہادری کی مثالیں دیں اور تعریف کریں، شہید ہو جاؤ، تو شہید اعظم کے نام سے پکارے جاؤ اور اگر فاتح بن کر واپس آؤ تو خوب مال غنیمت حاصل کرو اور تمہاری بہادری کے قصے پڑھے جائیں اور یہ سب تمہیں دنیا میں حاصل ہو گیا آج تمہارا کوئی حصہ نہیں۔'

شریعت میں جہاد کی کئی اقسام بیان کی جاتی ہیں لیکن قرآن مجید نے خاص طور پر جہاد کی دو قسمیں بتائی ہیں۔ 1- جہاد بالنفس 2- جہاد بالمال- جہاد بالنفس سے مراد، جسم وجان کے ذریعے جہاد کرنا اور اس میں دین کی خدمت کے لیے ہر قسم کی جانی تکلیف برداشت کی جاتی ہیں۔ اسے جہاد بالسیف بھی کہتے ہیں اور جہاد اصغر بھی، جبکہ منکر اسلام کے خلاف ہتھیار اٹھانا اور اپنی نفسانی خواہشات کے خلاف جہاد کرنے کو جہاد اکبر کہا جاتا ہے اور مال سے جہاد کا مطلب ہے کہ اسلام کی اشاعت و تبلیغ اور جہاد کے لیے ہتھیاروں اور دوسری ضروریات کو پورا کرنے کی غرض سے خرچ کرنا ہے۔ اسلام میں جہاد کی حیثیت ایک عبادت کی سی ہے جس طرح دیگر عبادات مثلاً: نماز، روزہ، حج، زکواۃ ادا کرنے کے احکامات ہیں اور اس کی فضیلت اللہ تعالیٰ نے کچھ اس طرح بیان کی ہے۔

ان اللہ یحب الذین یقاتلون فی سبیلہ صفا کانھم بنیان مرصوص (سورہ الصف)

ترجمہ: "بے شک اللہ تعالیٰ ان لوگوں کو پسند کرتا ہے، جو لڑتے ہیں اس کی راہ میں قطار باندھ کر گویا وہ سیسہ پلائی ہوئی دیوار ہوں۔"

جہاد کی فضیلت کی طرف رغبت دلاتے ہوئے اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

"اے ایمان والو! میں تمہیں ایسی تجارت نہ بتادوں، جو تمہیں دردناک عذاب سے بچائے، تو اللہ اور اس کے رسول پر ایمان لاؤ اور اپنی جان و مال سے اس کی راہ میں جہاد کرو، یہ تمہارے لیے بہتر ہے اگر تم جانتے ہو۔

(سورہ البقرہ)

حضور اکرم ﷺ نے مسلمانوں کے جوش اور ولولوں کو ابھارتے ہوئے کہا کہ: جنت تلواروں کے سائے تلے ہے۔ جہاد کے بھی احکامات ہیں اور بعض دفعہ احکامات اور شرائط



Marfat.com

پورے نہ ہونے کی وجہ سے کفار کے خلاف لڑائی یا جہاد کا حکم نہیں دیا جاتا اور بعض دفعہ مسلمانوں کے دو گرہوں کے درمیان لڑائی میں ایک گروہ کی لڑائی کو جہاد اور ایک گروہ کی لڑائی کو بغاوت کا نام دیا جاتا ہے۔ قرآن کریم میں حکم باری تعالیٰ ہے: "اگر مسلمان کے دو گروہ آپس میں لڑ پڑیں تو ان کے درمیان صلح کراؤ اگر ایک گروہ زیادتی اور بغاوت پر اتر آئے اور صلح پر کسی بھی صورت میں تیار نہ ہو تو تمام مل کر اس زیادتی کرنے والے اور بغاوت کرنے والے خلاف جہاد کرو، جب تک وہ اللہ تعالیٰ کے حکم کی طرف واپس نہ آجائے۔" اس آیتِ کریمہ میں واضح طور پر ایک جماعت کی لڑائی کو جہاد سے تعبیر کرنے کا حکم دیا گیا ہے، جبکہ دوسری جماعت کو باغیوں سے تعبیر کر کے ان کے خلاف جہاد کرنے کا حکم دیا گیا ہے۔ جہاد بالسیف ان صورتوں میں جائز ہے کہ دشمن اسلامی ملک پر حملہ آور ہو تو تمام مسلمانوں پر یہ لازم ہے کہ اپنی مملکت کو بچانے کے لیے جنگ کریں اور دشمن اسلام کو ظلم و ستم سے باز رکھیں۔ جب دشمن معاہدہ توڑ دے تو جہاد کی یہ قسم لازم ہو جاتی ہے۔

ذاتی مفاد کے لیے جہاد نہ کیا جائے، جیسے خلیفہ رابع حضرت علیؓ کافر پہلوان کے سینہ پر سوار ہو کر اسے مارنے کی تیاری کر رہے ہیں کہ اس کافر نے آپ کے چہرہ مبارک کی گستاخی کی تو آپ فوراً اس کے اوپر سے اتر گئے اور قتل کا ارادہ ترک کر دیا تو کافر حیران رہ گیا اور سوال کیا کہ "آپ نے مجھے کیوں چھوڑ دیا؟" فرمایا کہ "پہلے میں تجھے خدا کی رضامندی کے لیے قتل کر رہا تھا اور میرے نفس کا اس میں کوئی دخل اور فائدہ نہ تھا لیکن جب تو نے میرے چہرے کی گستاخی کی، تو میرے دل میں انتقامی جذبہ بیدار ہو گیا تو تیرے قتل میں میرے نفس کی خوشنودی بھی شامل ہو گئی اس لیے میں نے تجھے چھوڑ دیا کہ کہیں جہاد کا یہ عمل خدا کی بجائے میرے نفس کا عمل نہ بن جائے۔" اس پر کافر اتنا حیران ہوا کہ مسلمان ہو گیا۔

حضرت خالد بن ولیدؓ جہاد میں مصروف ہیں، تین دن ہو گئے اور روزانہ مسلمان مقابلہ شروع کرتے ہیں لیکن فتح نہیں ہوتی ہے، مگر جب تمام ساتھی سوچ و بچار کرتے ہیں تو پتہ چلتا ہے کہ نبی اکرم ﷺ کی سنت مسواک، جہاد میں مصروفیت کی وجہ سے، امیر لشکر، حضرت خالدؓ بن ولید اور دیگر صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنھم سے چھوٹی ہوئی ہے، فوراً منگواتے ہیں اور مسواک کرتے ہیں اور دوسرے دن، اللہ تعالیٰ فتح و نصرت عطا فرماتے ہیں۔



Marfat.com

جہاد کی ان شرائط کی بنا پر علماء کرام ہر دور میں، جہاد کا حکم دیتے وقت بہت زیادہ محتاط رہتے ہیں بلکہ بعض بڑے بڑے آئمہ کرام اور مفتیان عظام کو حکمرانوں اور بادشاہوں نے ظلم و ستم کا نشانہ بنایا۔ حجاج بن یوسف نے حضرت سعید بن جبیرؓ اور حضرت عبداللہ بن زبیرؓ اور ہزاروں صحابہ کرام کو اس پاداش میں شہید کروادیا کہ وہ حکمرانوں کی لڑائی کو جہاد کا حکم دینے کے لیے تیار نہیں تھے۔

پوری تاریخ اسلامیہ میں ایسی کوئی مثال پیش نہیں کی جاسکتی کہ جس میں جہاد کو ذاتی دشمنی یا فرقہ پرستی کے تابع کیا گیا ہو، کیونکہ یہ ایک خالص مذہبی معاملہ ہے، جس کا تعلق شرعی احکامات سے ہے، لیکن جہاد کے عمدہ اور قابل مثال واقعات حضور اکرم ﷺ کی حیات مبارکہ میں سے ملتے ہیں، جیسے جنگ بدر میں آپ ﷺ نے اعلان کیا کہ تم صحابہ کرام ،اس جنگ میں شریک ہونگے یعنی جہاد سب پر فرض ہے اور جہاں صلح کی ضرورت محسوس کی، وہیں صلح بھی کی، جیسے صلح حدیبیہ میں حضرت عثمانؓ کی شہادت کا بدلہ لیا جائے گا یہ خبر غلط ثابت ہوئی تو جہاد کا ارادہ ترک کردیا اور صلح کے نتیجے میں فتح مکہ -فتح عظیم کی نوید سنی۔

ہمیشہ سے جہاد کی حیثیت مسلمانوں کی عبادت کی طرح رہی ہے، جبکہ مال و دولت کا حصول یا اقتدار اس کا مقصود نہیں رہا اور اس لیے حضرت خالد بن ولیدؓ نے فرمایا تھا:

"ہم کسی صورت میں ناکام نہیں، فتح کی صورت میں غازی بن کر پوری دنیا میں دین کی سربلندی کریں گے اور شہادت کی صورت میں رب کائنات کے دربار میں سرفرازی حاصل ہو گی۔"

نبی اکرم ﷺ اور آپ ﷺ کے بعد کے ادوار میں دو بڑی طاقتیں روم اور ایران موجود تھیں لیکن نبی اکرم ﷺ یا آپ کے خلفاء نے طاقت کے مفادات کے تحت جہاد یا احکام میں رودبدل نہیں کیا، بلکہ دونوں طاقتوں کے سربراہوں کو ایک خط لکھا اور دنیا نے دیکھا کہ، جن دونوں قوتوں نے اسلام قبول نہیں کیا، تو اللہ تعالیٰ کے لشکر کے سامنے خس وخاشاک کی طرح بہہ گئیں اور اسلامی حکومتیں قائم ہو گئیں۔ جہاد اسلامی کا مطالعہ کریں تو یہی بات سامنے آئے گی کہ مسلمانوں نے جہاد صرف اور صرف اسلام کی سربلندی اور اللہ تعالیٰ کے دین کے غلبہ کے لیے کیا اور قرآن کریم میں رسول اللہ کے بعثت کا مقصد بھی یہی بتایا گیا ہے ارشاد باری تعالیٰ ہے: "رب کائنات کی ذات وہ ذات ہے جس نے اپنے رسول کو



Marfat.com

ہدایت اور دین حق کے ساتھ بھیجا تا کہ غالب کر دے اس دین کو دیگر تمام ادیان پر۔" اس آیت کریمہ سے قبل اللہ تعالیٰ نے کفار کے عزائم بھی واضح فرمادیے، "کفار چاہتے ہیں کہ وہ اللہ تعالیٰ کے نور اسلام کو مٹادیں، اللہ تعالیٰ اپنے نور کو مکمل کرنے والا ہے، اگرچہ کافر اس کو کتنا ہی ناپسند کیوں نہ کریں۔" انگریز پوری دنیا پر قابض تھے اور تمام تر پالیسیاں انگریز حکومت کی خوشنودی کے پیش نظر تشکیل کی گئیں، لیکن مسلمان بغیر خوف اور کسی دنیاوی مفاد کے، انگریز حکومت کے خلاف جہاد کا اعلان کرتے ہیں اور ہزاروں علماء کرام کو ایک ایک کر کے پھانسی پر لٹکا دیا جاتا ہے، لاکھوں مسلمانوں کو خنزیز کی کھال میں بند کر کے شہید کر دیا جاتا ہے لیکن مسلمان اور علماء کرام اپنے فریضے سے غافل نہیں ہوتے اور وہ جہاد کو کسی طاقت کے ساتھ وابستہ نہیں کرتے اگر ایک جگہ ناکام ہوتے ہیں تو دوسری جگہ جہاد شروع ہو جاتا ہے کبھی بالاکوٹ کے میدان میں سید احمد شہید تو کبھی شاملی کے میدان میں حاجی امداداللہ مہاجر مکیؒ، مولانا محمد قاسم نانوتویؒ، مولانا رشید احمد گنگوہیؒ، حافظ ضامن شہید کی قیادت میں، تو کبھی دہلی کے میدان میں بخت خان کی سرکردگی میں، تو کبھی میسور میں ٹیپو سلطان شہیدؒ کی سرپرستی میں کبھی بنگال میں سراج الدولہ کی رہنمائی میں جہاد کا فریضہ جاری رہتا ہے اور اس وقت بھی انگریز حکومت اور بڑی طاقتیں اس جہاد کو غدر اور بغاوت کا نام دیکر، مسلمانوں کے خلاف میدان ہموار کرتی ہیں۔

نبوت کا جھوٹا دعویدار مرزا غلام احمد قادیانی، انگریز حکومت کو اللہ تعالیٰ کا سایہ قرار دے کر، جہاد کو حرام قرار دیتا ہے، تو کبھی انگریزوں کے زر خرید سردار، نواب اور دیگر جاگیر دار مجاہدین کے لشکر کی مخبری کر کے اس کی تباہی کا باعث بنتے ہیں، لیکن اس وقت کے علماء کرام اور مسلمان جہاد جاری رکھتے ہیں اور اللہ تعالیٰ انگریز حکومت کی غلامی سے نجات دلاتے ہیں۔ فلسطین میں مسلمان اسرائیل کے خلاف بڑی طاقتوں کی مکاری سے بیت المقدس کے سایہ میں اعلان جہاد کرتے ہیں تو اقوام متحدہ کی قراردادوں کو ویٹو (Veto) کیا جاتا ہے، غرض یہ کہ مسلمانوں کے جہاد کو، دہشت گردی سے تعبیر کیا جاتا ہے، لیکن مسلمان بیت المقدس کی آزادی کے لیے جہاد کا علم بلند رکھے ہوئے ہیں۔ کشمیر میں گزشتہ پچاس برسوں سے یہی صورتحال ہے، جہاں ہندوستان کے ظلم و ستم جاری ہیں۔ امریکہ اور مغربی ممالک، ہمیشہ سے ہندوستان کی پشت پناہی کر رہے ہیں۔ اور اقوام متحدہ، جانبداری کا

ظاہرہ کرتا رہتا ہے اور مسلمانوں کا کوئی پرسان حال نہیں۔ امریکہ اس علاقہ میں ہندوستان کی بالادستی کا خواہش مند ہے۔ بوسنیا میں مسلمانوں نے جہاد کا علم بلند کیا ہے، تو پوری دنیا کی قوتیں بوسنیا کے مسلمانوں کے خلاف۔ متحد ہو گئیں۔ سربوں نے چنگیز خان کے ظلم بھلا دیے اور مسلمانوں کا اجتماعی قتل عام کر کے اجتماعی قبریں بنائی گئیں۔ برطانیا نے کھلم کھلا اعلان کیا کہ، وہ بوسنیا میں کسی صورت میں بھی اسلامی سلطنت یا حکومت قائم نہیں ہونے دے گا۔ امریکہ نے، اقوام متحدہ کے ذریعے مظلوم بوسنیا کے مسلمانوں پر ہتھیاروں کی پابندی عائد کر دی اور مخالف سربوں کو کھلے عام ہتھیاروں کی ترسیل کی اجازت دے دی، تو علمائے کرام نے بوسنیا میں جہاد کا نعرہ لگا دیا۔ مسلمانوں نے جذبہ جہاد سے کام لیکر، ہر ظلم برداشت کیا، آخر حق کا بول بالا ہوا اور باطل مٹا، اس طرح باطل ڈوبی ہوئی تاریکیوں میں غرق ہو گیا اور اسلامی حکومت قائم ہو گئی۔

مسلمانوں کو اگر شکست کی صورت دیکھنی پڑی ہے، تو وہ صرف ان ہی میں سے غداروں اور میر جعفروں کی وجہ سے، ٹیپو سلطان کی پیٹھ میں چھرہ گھونپنے والا بھی مسلمان ہی تھا۔

جعفر از بنگال و صادق از دکن
ننگِ ملت، ننگِ قوم، ننگِ وطن

ہمیں چاہیے کہ اپنی صفوں کو مضبوط کریں اور دل میں خدا کی یاد اور اس کی رسی کو مضبوطی سے تھامے رہیں، اسی میں ہماری فتح ہے۔

***



Marfat.com

# اسلام: جدّت کردار کا پیغام

محمد کاشف

جماعت: دوازدہم

جدّتِ کردار سے مراد یہ ہے کہ انسان اپنی زندگی کو صحیح سانچے میں ڈھال کر گزارے، جو کہ صرف اور صرف عمل کا ہو۔ جدّتِ کردار سے مراد یہ بھی ہے کہ انسان اپنی سوچ مثبت رکھے اور اس کی سوچ میں منفی پہلو نہ ہو۔ جدّتِ کردار سے مراد یہ نہیں کہ انسان اپنے آپ کو سب سے الگ تھلگ سمجھ لے اور اپنے آپ کو غرور اور تکبر میں ڈال دے۔

اسلام ایک ایسا دین ہے، جس میں جدّتِ کردار کا سبق سب سے زیادہ پایا جاتا ہے۔ یہ ایسا دین ہے، جس نے انسانیت کو نئی سوچ، ایک ولولہ اور زندگی گذارنے کا ڈھنگ اور ڈھب دیا۔

اللہ تعالیٰ نے انسان کو کائنات میں اپنا خلیفہ بنا کر بھیجا۔ اس نے اپنا پیغام دنیا میں بھجوانے کے لیے انبیاء علیہم السلام دنیا کا طویل سلسلہ چلایا۔ ان سب نے دنیا میں آکر انسانوں کو ایک درس دیا اور وہ تھا وحدتِ الٰہی کا۔ یہ سبق انسانیت کے کردار کا تھا جو حضرت آدمؑ سے چلا اور خاتم الانبیاء ﷺ پر آکر تکمیل کو پہنچ گیا۔ نبی ﷺ نے سب سے زیادہ جس چیز کی تبلیغ کی وہ اللہ تعالیٰ کی توحید تھی اور جس چیز کا سبق سب سے زیادہ دیا وہ "کردار" تھا۔ آپ ﷺ نے اپنے صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کو اپنے عمل سے ایک ایسا کردار عطا کیا جس کی مثال پوری تاریخ میں نہیں ملتی۔

اللہ تعالیٰ کے پیغمبر ﷺ کے صحابی ربیع ابن عمروؓ، جہاد جاری رکھتے ہوئے جب رستم کے علاقے میں پہنچے تو رستم نے آپؓ کو اور آپؓ کے لشکر کو ہر ممکن لالچ دی کہ وہ یہاں سے واپس چلے جائیں۔ رستم نے کہا "اے ربیعؓ! تمہیں بھی مال دیں گے تمہارے نبی کو بھی اور



Marfat.com

جتنی تمہاری جماعت تمہارے ساتھ آئی ہے، اسے بھی مال ومتاع سے نوازدیں گے، صرف تم یہ کرو کہ، یہاں سے واپس چلے جاؤ اور جتنا مالِ غنیمت تم فتح کر چکے ہو اسے بھی لے جاؤ!۔"

حضرت ربیع ابن عمرؓ کے الفاظ تاریخ میں سنہری حروف سے لکھے جانے کے قابل ہیں۔ ربیع ابن عمرؓ نے جوابدیا، "اے رستم! ہمیں نہ مال نے گھر سے نکالا نہ متاع اور نہ ہی کسی اور دنیاوی لالچ نے، ہم تو صرف اللہ کا دین دنیا میں نافذ کرنے کے لیے بھیجے ہیں اور ہم تو بندوں کو، بندوں کی غلامی سے نکال کر اس ایک اللہ کی بندگی میں ڈالنے کے لیے آئے ہیں۔"

یہ تھا کردار کا عکس، جو کہ نبی ﷺ نے اپنے صحابہؓ کو عطا کیا۔ مبعوث کا لفظ صرف نبی ﷺ کے لیے تاریخ میں استعمال ہوا ہے نہ کہ عام انسان کے لیے۔ لیکن نبی ﷺ کا اصحابیؓ یہاں اپنے لیے بعثت کا لفظ استعمال کر رہا ہے۔ یہی ان کے کردار کی بلندی تھی۔ جس نے انہیں ارفع و اعلیٰ کر دیا۔ ان کے کردار کو، اب آنے والی ساری نسل نے معیار بنایا۔ ان لوگوں کی زندگیوں کا مطالعہ کرنے سے پتہ چلتا ہے کہ، اسلام نے کردار کو کیسے جدّت عطا کی۔

ربیع ابن عمرؓ اپنے کردار کی حیثیت سمجھ چکے تھے، اس لیے اپنے لیے بعثت کا لفظ استعمال کیا، کہ، نبی آخر الزمان ﷺ کے بعد یہ امت ہی ہے جو آنے والی تمام دنیا کو اسلام کا کردار عطا کرے گی۔ اس لیے "کردار" ہی اس امت کی ایک ایسی چیز ہے جس کی بدولت اسے جنت الفردس میں سب سے پہلے داخل کیا جائے گا۔ کردار کی اس عظیم صفت کی وجہ سے، اس امت کو یہ درجہ حاصل ہے، کہ جس کے لیئے پیغمبروں نے دعائیں کیں کہ "اے اللہ! ہمیں اس آخری امت میں سے پیدا کر، جس کا تو نے سب سے افضل درجہ رکھا ہے۔"

اس امت کو کردار جیسی صفت کہاں سے ملی؟ یہ اسلام تھا جو جدّت کردار کا پیغام لے کر آیا اور جب اس امت نے اس کے کردار کو اپنے سینے سے لگایا تو قیصر و کسریٰ جیسی عظیم سلطنیں اس کے آگے زیر وزیر ہو گئیں۔ قسطنطینہ ایک ایسی مملکت تھی جو مسلمانوں سے فتح نہیں سکی تھی اور کلیسا کا بہت بڑا مرکز تھی۔ لیکن جب اسلام کو وہ پوری طرح اپنی زندگیوں میں لے آئے تو یہ عظیم سلطنت بھی ان کے زیر نگیں ہو گئی۔

اگر ہمیں آج کے دور میں رفعت چاہیے تو وہ اسلام ہی دے سکتا ہے جو کہ سب سے افضل ہے، کیونکہ اسلام ہی جدّت کردار کا پیغام دیتا ہے۔

***

# نیوٹن کا تصورِ خدا

عمیر سانگی

جماعت: یازدہم

سترھویں اور اٹھارھویں صدی کے معتبر محقق اور دانشور آئزک نیوٹن سے جب دریافت کیا گیا کہ "کس طریقے سے ہم خدا کو پہچان سکتے ہیں؟" تو وہ کہتا ہے کہ "میں نے خدا کو تین دلیلوں سے جانا ہے اور اس کے موجود ہونے پر اعتقاد حاصل کیا ہے"، جس کے لیے وہ مندرجہ ذیل دلائل پیش کرتا ہے۔

## پہلی دلیل

"ایک خالق کے وجود کو ثابت کرنے کے لیے پہلی دلیل یہ ہے کہ بیکراں اور لامحدود فضا میں بے شمار اجرامِ فلکی موجود ہیں اور مسلسل حرکت کر رہے ہیں۔ اس کے باوجود کبھی بھی وہ ایک دوسرے سے ٹکراتے نہیں۔ یہ لاکھوں برسوں سے اسی طرح رکے بغیر، اپنے اپنے مداروں میں گردش کر رہے ہیں اور آج تک وہ ایک مرتبہ بھی اپنے مدار سے نہیں نکلے۔ ان کا حیرت انگیز نظم و ضبط یہ بتاتا ہے کہ کوئی ہے، جس نے اس نظام کو برقرار رکھا ہے۔ اجرامِ فلکی میں ہر ایک کا وزن، حجم، رفتار اور ایک دوسرے سے فاصلہ اسے معلوم ہے۔ ذرا سی غلطی کے بغیر اس نے ٹھیک ٹھیک حساب سے کائنات کے اجرامِ فلکی کو حرکت دی ہے۔ ان ستاروں کو گردش کرتے ہوئے لاکھوں سال گذر چکے ہیں۔ یہ ایک مضبوط اور ناقابلِ تردید دلیل ہے۔ ہمیں یہ تسلیم کرنا پڑتا ہے کہ کوئی دانا، حکیم اور مدبر ذات موجود ہے، جس نے اس کائنات کو تخلیق کیا ہے۔ اس کے علاوہ کوئی ذات نہیں ہے، جس میں ایسا



Marfat.com

عظیم نظم و ضبط بر قرار رکھنے کی قدرت اور صلاحیت موجود ہو۔" قرآنِ مجید میں اس موضوع پر مذکور سورۃ اعراف کی آیت نمبر ۵۴ میں ارشادِ ربانی ہے کہ:

اِنَّ رَبَّكُمُ اللّٰهُ الَّذِىْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضَ فِىْ سِتَّةِ اَيَّامٍ ثُمَّ اسْتَوٰى عَلَى الْعَرْشِ يُغْشِى الَّيْلَ النَّهَارَ يَطْلُبُهٗ حَثِيْثًا وَّ الشَّمْسَ وَ الْقَمَرَ وَ النُّجُوْمَ مُسَخَّرٰتٍ بِاَمْرِهٖ

"آپ کا پروردگار وہ اللہ ہے، جس نے آسمانوں اور زمین کو چھ دن (چھ مرحلوں) میں تخلیق کیا ہے۔ شمس و قمر اور تمام ستارے اس کی تسخیر میں، اس کے فرمان کے ماتحت ہیں۔"

## دوسری دلیل

نیوٹن کی دوسری دلیل آنکھ کے پیچیدہ اور حیرت انگیز ساخت سے مربوط ہے۔ روشنی کے قوانین کا بھی اس میں ذکر ہے۔ وہ مزید کہتا ہے کہ: آنکھ باقاعدہ قوانین کی بنیاد پر بنائی گئی ہے۔ روشنی کے قوانین آنکھ کے اجزا کی ساخت سے پوری مطابقت اور مناسبت رکھتے ہیں، جو خاص فارمولوں پر مبنی ہیں۔ روشنی کے تین بنیادی قوانین وضع کیے گئے ہیں، جو مندرجہ ذیل ہیں:

۱۔ قانونِ انتشار: جس میں بتایا گیا ہے کہ روشنی کس انداز سے منتشر ہوتی ہے۔ یعنی یہ نظامِ انعطاف اور نظامِ انعکاس میں کس طرح کام کرتی ہے۔

۲۔ قانونِ انکسار: جس میں بتایا گیا ہے کہ روشنی جب ہلکی فضا سے بھاری فضا میں داخل ہوتی ہے، تو وہ تقسیم ہو جاتی ہے۔

۳۔ قانونِ انعکاس: جس میں یہ بتایا گیا ہے کہ روشنی جب کسی چیز سے ٹکراتی ہے، تو وہ ایک خاص اصول اور ضابطے کے مطابق، وہاں سے واپس بھی پلٹتی ہے۔ آنکھ، ان تینوں قوانین اصول و ضوابط کو مدِ نظر رکھتے ہوئے بنائی گئی ہے کہ مختلف اقسام کی چیزوں کو دیکھ سکتی ہے اور ان چیزوں کی تصویریں روشنی کے ذریعے دماغ تک پہنچا سکتی ہے۔ ان باتوں سے اندازہ ہوتا ہے کہ آنکھ کو تخلیق کرنے والا خالق بے انتہا علم کا مالک ہے۔ وہ روشنی کے انتہائی پیچیدہ قوانین کی تمام جزئیات سے بخوبی واقف ہے اور اس نے اسی علم اور قابلیت کے بنیاد پر قوتِ بصارت کے لیے حیرت انگیز آلۂ بصر تخلیق کیا ہے۔



Marfat.com

## تیسری دلیل

نیوٹن اپنی تیسری دلیل میں کان جیسے حیرت انگیز آلۂ سماعت کا ذکر کرتا ہے کہ کان جیسے آلہ سماعت کا خالق یقیناً آواز کی موجوں کے قوانین سے بخوبی واقف ہے۔ وہ بخوبی جانتا ہے کہ، کس طرح ہوا میں ارتعاش اور لرزش پیدا ہوتی ہے۔ کن فارمولوں اور ضوابط سے آواز کی لہریں پیدا ہوتی ہیں۔ آلہ اس ارتعاش کو وصول کر کے آواز کی سمت کا اندازہ لگاتا ہے اور مختلف آوازوں کے درمیان فرق محسوس کرواتا ہے۔ یہ عجیب اور پیچیدہ آلہ وافر علم اور قدرت کے بغیر بنایا ہی نہیں جا سکتا۔ پس عقل یہ کہتی ہے کہ کان کی ساخت ایک عالم، حکیم اور صاحب تدبیر خالق کے وجود کی دلیل ہے۔

***

Marfat.com

# اسلام میں علم کی اہمیت

شیخ فرخ مصطفیٰ
جماعت: ہشتم

زندگی میں علم حاصل کرنا نہایت ضروری سمجھا جاتا ہے اور اسے حاصل کرنے کے لیے بہت زور دیا جاتا ہے، کیونکہ علم انسان کو انسان بناتا ہے۔ اسے اچھے برے کی تمیز سکھاتا ہے۔ حضور اکرم ﷺ نے فرمایا کہ: ''علم سے انسان حرام و حلال میں تمیز سیکھتا ہے۔'' علم جنت کا راستہ روشن کرتا ہے۔ علم ریگستان میں ہمارا دوست ہے، علم تنہائی میں ہمارا ساتھی اور غربت میں غمگسار اور مددگار ہے۔ دوستوں کی محفل میں علم ہمارا زیور ہوتا ہے اور دشمنوں کے مقابلے میں ذرہ بکتر۔ علم کے ذریعے بندہ بارگاہ ایزدی میں اونچے مدارج پر پہنچتا ہے۔ دنیا میں عزت و مرتبہ حاصل کرتا ہے، اور آخرت میں مکمل خوشی۔

ایک اور جگہ ارشاد ہوا کہ ''طالب علم کی راہ میں فرشتے اپنے پر بچھاتے ہیں۔''

ہمارے پیارے نبی حضور اکرم ﷺ نے علم کو عبادت سے افضل قرار دیا ہے اور علم حاصل کرنے والے کو، وہ درجہ دیا جو ایک شہید کو میدان جنگ میں ملتا ہے اور اس بارے میں ارشاد رسول پاک ﷺ ہے کہ: ''طالب علم کی روشنائی شہیدوں کے خون سے بھی زیادہ پاک ہوتی ہے۔''

اس حدیث پاک سے ہمیں مندرجہ بالا باتیں سچ معلوم ہوتی ہیں۔ دین اسلام میں علم کو ایسی اہمیت حاصل ہے، جیسی اندھیرے میں روشنی کو حاصل ہوتی ہے۔ ایک روایت کے مطابق علم کو جہالت کو اندھیرے سے تشبیہ دی گئی ہے۔ اسلام سے پہلے دوسرے مذاہب میں علم حاصل کرنا کسی خاص طبقے کی میراث سمجھا جاتا تھا اور عام طبقے کے لوگوں کے لیے

اس کی کوئی خاص ضرورت نہیں سمجھی جاتی تھی اور نہ وہ اسے حاصل کر سکتے تھے۔ لیکن اسلام نے علم کی ضرورت پر زور دے کر اسے ایک ایک انسان تک پہنچایا اور اس روشنی کو پوری دنیا میں پھیلا دیا۔

علم کو پھیلانے اور ساری دنیا میں عام کرنے میں مسلمانوں کا بڑا حصہ ہے۔ حضور اکرم ﷺ کا ارشاد ہے:

"علم حاصل کرو، اس لیے جو شخص علم حاصل کرتا ہے، وہ اللہ کے راستے میں نیکی کرتا ہے، جو شخص علم کا تذکرہ کرتا ہے، وہ خدا کی تسبیح کرتا ہے جو شخص علم کی جستجو کرتا ہے، وہ اللہ کی محبت کا دم بھرتا ہے، جو شخص علم کو پھیلاتا ہے، گویا وہ صدقہ دیا ہے۔"

ایک اور جگہ فرمایا کہ:

"جس طرح چودھویں کے چاند کو کواکب پر فضیلت حاصل ہے اسی طرح عالم کو غیر عالم پر فضیلت حاصل ہے۔ علم حاصل کرنا بھی ثواب ہے اور علم کے اشاعت بھی باعث اجر ہے۔"

حدیث پاک میں ہے کہ:

"عالم اور متعلم دونوں اجر میں شریک ہیں۔"

اور یہ بھی حدیث پاک میں ہے کہ:۔

"جو علم حاصل کرنے کے لیے گھر سے نکلے، وہ اللہ کی راہ میں ہے، جب تک واپس نہ آجائے۔"

سب سے پہلی وحی جو حضور اکرم ﷺ پر نازل ہوئی، اس میں بھی علم حاصل کرنے کا حکم دیا گیا ہے:

"اقرا باسم ربك۔"

یعنی: "پڑھ اپنے رب کے نام سے۔"

اگر ہم اس کائنات پر غور کریں، تو ہمیں اس میں بڑی عجیب و غریب مخلوقات نظر آئیں گی۔ لیکن اگر دیکھا جائے تو ان سب سے بہتر مخلوق انسان ہے اور وہ ساری مخلوقات علم سے محروم ہیں اور جو علم کے زیور سے آراستہ ہے، وہ ہی انسان ہے۔ اگر اللہ تعالیٰ



Marfat.com

انسان کو علم عطانہ کرتا، تو انسان اور جانور میں کا فرق ہی نہیں ہوتا۔ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ انسان اور جانور میں فرق کرنے والی چیز علم ہی ہے۔

علم انسان کی سب سے بڑی طاقت ہے اور قلم اس کا سب سے بڑا ہتھیار ہے۔ یعنی اگر انسان کے پاس علم نہ ہوتا تو یہ قلم بھی بے کار ہو جاتا۔ علم اور دولت میں کیا فرق ہوتا ہے، علم وہ چیز ہے، جسے جتنا بھی خرچ کیا جائے، کم ہے، جبکہ اس کے برعکس دولت وہ چیز ہے جو اگر کم بھی خرچ کی جائے تو زیادہ ہے۔ انسان کو اس دنیا میں زندہ جاوید بنانے والی چیز علم ہی ہے۔

ہمارے پیارے نبی اکرم ﷺ نے فرمایا کہ: "گہوارے سے قبر تک علم حاصل کرو۔" یعنی انسان کو پیدائش سے لے کر موت تک علم حاصل کرنا چاہیے۔ ایک اور ارشاد نبوی ﷺ ہے کہ:

"اگر علم حاصل کرنے کے لیے تمہیں چین بھی جانا پڑے تو گریز نہ کرنا۔" اس زمانے میں چین علم کا مرکز تھا یعنی اگر علم کے لیے ہمیں دور دراز کا سفر بھی طے کرنا پڑے تو گریز نہ کریں۔

***



Marfat.com

# اسلامی فنِ خطاطی

غلام شبیر جوگی

استاد فائن آرٹ

خطاطی (Calligraphy) فنونِ لطیفہ کی ایک اہم شاخ ہے۔ ابتدائے آفرینش سے قلم و علم میں باہمی رشتہ چلا آرہا ہے۔ قرآن پاک میں، حضور نبی کریم ﷺ سے ارشاد ہے:

اِقْرَاْ وَرَبُّكَ الْاَكْرَمُ الَّذِىْ عَلَّمَ بِالْقَلَمِ عَلَّمَ الْاِنْسَانَ مَا لَمْ يَعْلَمْ "پڑھیے، رب بزرگ کریم ہے جس نے قلم کے ذریعے علم عطا کیا اور انسان کو وہ کچھ سکھایا جو وہ نہیں جانتا تھا۔"

گویا قلم کو یہ شرف و اعزاز حاصل ہے کہ اللہ نے قلم کو اشاعت کا ذریعہ قرار دیا۔

حضور نبی کریم ﷺ کے زمانہء مبارک میں حجاز مقدس کے دو شہروں حمیر اور حیرہ میں کتابت کا رواج تھا، نسبت مکانی کے اعتبار سے رائج الوقت خط کو خطِ حمیری اور خطِ حیری کے نام سے موسوم کیا جاتا ہے۔ یہ دونوں خط آپس میں مشابہہ تھے۔

اسلامی خطاطی کا آغاز نبی کریم ﷺ کے زمانہء مبارک سے ہوتا ہے۔ آپ نزول وحی کے وقت خاص طور پر کسی خوشخط صحابی کو یاد فرماتے، وہ تختی قلم اور دوات لے کر حاضر ہوتے۔ آپ انہیں نازل شدہ آیات قرآنی قلمبند کرادیتے۔ چنانچہ کثیر التعداد صحابہؓ کرام میں سے چالیس خوش نصیبوں کو کاتبانِ وحی ہونے کا شرف حاصل ہوا۔

صحابہ کرام میں خوش نویسی کا ذوق عام ہوتا گیا۔ حضور کے زمانے میں قرآن پاک کے لکھے ہوئے نسخے عام طور پر صحابہؓ کے پاس موجود تھے۔

بعض صحابہ کرامؓ نے خود لکھے اور اکثر لکھوائے۔ عہد صدیقی، عہد فاروقی، عہد عثمانی اور عہد علوی میں تدریجاً خطاطی کو فروغ ہوا، کوفہ میں خطاطی کا نیا دور شروع ہوا۔



Marfat.com

خطِ حمیری اور خطِ حیری میں اصلاحات ہوئیں، ان میں انداز حسن پیدا کیا گیا اور خط کوفی وجود میں آ گیا۔ اس زمانے میں قرآن پاک خط کوفی میں لکھا جانے لگا۔ دوسری اقوام کی طرح مسلمانوں میں بھی جمالیاتی فن بالعموم دینی جذبوں اور عقیدت کے زیر اثر رہا ہے، اسی لیے قرآن مجید کی خوشنویسی و خوشنمائی اور آرائش و زیبائش کے لیے مختلف طریقے اختیار کئے گئے۔ یہ فن عام کتابوں، افسانہ و حکایات کی کتاب میں بھی استعمال ہوا، ایسی کتب میں بعض اوقات حسنِ خط اور تصاویر دونوں کتابوں کی آرائش و زیبائش میں قابل قدر اضافے کا باعث بنتی ہیں۔

خطاطی کا استعمال مساجد اور قلعوں کی پیشانی، اندر کی دیواروں، قالینوں اور فرامین میں بھی ہوتا رہا۔

خطاطی آغازً اسلام ہی سے اسلامی روح کی آئینہ دار رہی ہے۔ اس کی اصل وجہ قلم و تحریر کی وہ اہمیت ہے جس کا ذکر قرآن مجید میں مختلف مقامات پر آیا ہے۔ چنانچہ مسلمانوں نے اسلام کے ابتدائی زمانے ہی سے قرآن مجید کی کتابت ایسے انداز میں شروع کر دی جو اس کے جاودنی حسن کے لیے شایان شان تھی، اگرچہ اسلوب تحریر میں وقت کے ساتھ کچھ مقامی خصوصیات شامل ہوتی گئیں لیکن عربی خط میں کسی قسم کی تبدیلی نہ آئی۔ سب سے بڑھ کر قرآن مجید کے مختلف مخطوطات ہیں جو خطاطی کے مختلف اسالیب کو ظاہر کرتے ہیں۔ اسلامی دور میں، عربی خط کی جس صورت نے سب سے زیادہ ترقی کی، اسے مسلمان، کوفی کہتے ہیں۔

زمانے کے اعتبار سے کوفی قدیم اور کوفی جدید دو اقسام ہیں۔ جدید کوفی کی ایجاد دورِ ہارون رشید کے نامور فاضل خلیل بن احمد عروضی سے منسوب کی جاتی ہے۔

بنو عباس کے زمانے میں اسحٰق بن حماد (154ھ) نے اسے زیادہ سے زیادہ عملی اور کاروباری استعمال کے لیے سہل بنانے کی کوشش کی۔ اس کی کچھ شکلیں پیدا کیں مثلاً: مساجد و عمارات کی پیشانی کے لیے خط طومار، دفتری دستاویزات کے لیے سجلات اور فرامین کے لیے عہدہ۔ بعد میں مختلف مقاصد کے لیے کوفی سے 37 شاخیں ایجاد ہوئیں۔

ابن مقلہ نے اس سے بھی سہل تر خط ایجاد کیا اور اس کا نام محقق رکھا۔ اس سے ریحان اور ثلث ایجاد ہوئے۔ نسخ کی ابتدا بھی ابن مقلہ نے کی، جسے ابن البواب نے تکمیل تک پہنچا



Marfat.com

کر ایک ریاضیاتی فن بنادیا۔ اس کے انداز خط کو خطِ نسخ کہتے ہیں۔ کوفی کا ناسخ ثابت ہونے کی وجہ سے اسے نسخ کہتے ہیں۔

کوفی اور نسخ کے بعد، خط کی بنیادی اور نمایاں اقسام یہ ہیں۔ تعلیق، نستعلیق، دیوانی، شکستہ، شکستہ آمیز اور شفیعہ۔ ہر قسم کے اندر درجنوں چھوٹی چھوٹی اقسام بھی ہیں، جنہیں قلم کہا جاتا تھا۔

شیخ محمد اکرام اپنی کتاب میں ہندوستانیوں کی ایجاد چند اقسام کا ذکر کرتے ہیں جو (۱) خطِ گلزار (۲) خطِ غبار (۳) خطِ پیچاں (۴) خطِ ریحان (۵) اور خطِ ناخن ہیں۔ غلام محمد زر قم دہلوی (1239ھ) نے "تذکرہ خوش نویساں" میں مزید اقسام کا ذکر کیا ہے۔

خط کوفی کی شکلی خصوصی یہ ہے کہ یہ ایک دانگ دور ہے۔ یہ خط تقریباً پانچ سو سال تک کتب نویسی اور قرآن نویسی میں مستعمل رہا ہے۔ مختلف علاقوں کی نسبت سے اس میں کئی شکلیں پیدا ہوئیں۔ بعض محققین کا خیال ہے کہ ظہورِ اسلام کے وقت عرب میں کوفی خط رائج تھا اور اس کی سب سے بڑی دلیل یہ ہے کہ 6ھ میں نبی کریم ﷺ نے جو تبلیغی مراسلے مختلف حکمرانوں کو ارسال فرمائے، وہ خط کوفی میں تھے۔ خط کوفی کی وجہ تسمیہ یہ ہے کہ اسلام سے پہلے عراق کے دو مشہور شہر حیر اور انبار تھے، جن کے قریب کوفہ شہر آباد ہوا، یہاں سر دانی خط سے ایک مخصوص خط بھرا جو اس شہر کی نسبت سے خط کوفی کہلایا۔ عرب بنو امیر اسے کوفہ سے مکہ مکرمہ لے گیا جہاں یہ خط کوفی کے نام سے رائج ہوا۔

خط کوفی نے ابتدائی زمانے میں مختلف ارتقائی مراحل کئے۔ خط کوفی کے حروف جلی اور مدوّر شکل کے ہیں۔ حروف کے جوڑ زوایہ دار ہوتے ہیں۔ اس میں چھ میں سے پانچ حصے سطحی ہوتے ہیں اور ایک حصہ دورر کھا ہوتا ہے۔

ابو الاسود دوئلی (29ھ ۔ 688ء) نے اعراب کے لیے نقطے ایجاد کئے۔ بعد میں خلیفہ عبد المالک بن مروان کے دور حکومت میں حجاج بن یوسف نے رسم الخط کی کوشش کی اور اعراب، اعجام اور زاویات کا اضافہ کیا۔

محمد بن قاسم کی سندھ فتح کے بعد برِ صغیر میں عربی رسم الخط کا اجرا ہوا اور رفتہ رفتہ خطِ نسخ اور تعلیق میں قرآن مجید کی کتابت ہونے لگی، پھر ایران سے روابط کی وجہ سے نسخ برِ صغیر میں رواج پا گیا۔ خطاطوں نے شاہی سرپرستی میں کام شروع کیا۔



Marfat.com

مغل بادشاہ علم و ہنر کے بڑے قدردان تھے۔ عبدالرحیم ہروی ایک نامور ماہر فن تھے، وہ اکبر کی دربار سے وابستہ تھے۔ جہانگیر نے اسے "عنبریں قلم" کا خطاب دیا تھا۔ عہدِ شاہجہان میں تاج محل پر امانت علی شیرازی نے خط ثلث میں جو آیات تحریر کیں وہ اپنا ثانی نہیں رکھتیں۔ خطاطوں نے مقبروں پر اور قرآن مجید کے جلدوں میں فن خطاطی کا اعلیٰ نمونہ پیش کیا ہے۔ اعلیٰ ذوق کی وجہ سے برتنوں پر بھی خطاطی کے بہترین نمونے ملتے ہیں۔

مسلمانوں نے اس فن کی ترقی وترویج میں نمایاں کردار ادا کیا ہے۔ مسلمان صناع ہر دور میں اپنے فن میں بے مثال خدمات سرانجام دیتے رہے ہیں۔ انہوں نے کم وسائل کے باوجود صنعت و حرفت کے تمام شعبوں کو جدت و ندرت بخشی، خطاطی بھی مسلمانوں کا ہی ایجاد کردہ فن ہے۔ اس کے ذریعے انہوں نے ہاتھ اور انگلیوں کی تخلیق کو بھی اجاگر کیا ہے۔

***



Marfat.com

# پاکستان کی چند مشہور مساجد

کامران رضا ابڑو
جماعت: دوازدہم

## بادشاہی مسجد، لاہور

لاہور کی بادشاہی مسجد مغلوں کے دور کی تعمیر ہے۔ اس کی تعمیر اورنگ زیب نے کروائی تھی اورنگ زیب ایک پارسا مسلمان تھے۔ وہ ۱۶۶۲ء میں لاہور کی مسجد فیروز خان میں نماز ادا کر رہے تھے کہ انہیں خیال آیا کہ یہاں ایک خوبصورت ترین مسجد کی ضرورت ہے۔ انہوں نے اپنے دودھ شریک بھائی فدائی خان کو بلا کر، جو ایک اعلیٰ انجینئیر تھے، بادشاہی مسجد تعمیر کرنے کا حکم دیا۔

یہ مسجد دراصل وسعت کے لیے نہیں، بلکہ اپنی خوبصورتی کی وجہ سے، فنِ تعمیر کا ایک نادر شاہکار ہے۔

مغل شہنشاہ اورنگ زیب نے اس کی تعمیر میں بہت دلچسپی لی۔ ۱۶۷۴ء میں اس کی تکمیل کے بعد، اورنگ زیب جب بھی لاہور آتے تھے، بادشاہی مسجد میں جمعہ کی نماز پڑھتے تھے۔

مورخین نے بیان کیا ہے کہ بادشاہ اپنے حضوری باغ کے محل سے مسجد جایا کرتے تھے۔

داخلے کا راستہ مغلیہ طرز کے ایک شاندار پھاٹک سے گذرتا ہے۔ جس کی وسطی محراب بہت بلند اور سبک ہے۔ دیواروں پر بہت خوبصورت نقش و نگار بنے ہوئے ہیں۔ دیواروں کے کونوں پر برجوں والے مینار ہیں، ان برجوں پر سنگ مرمر کے چھوٹے گنبد



Marfat.com

ہیں۔ دیوار کے قریب چھوٹے چھوٹے حجرے بنے ہوئے ہیں۔ پہلے زمانے میں یہ حجرے طالب علموں کی رہائش کے لیے ہوتے تھے۔ اسلامی روایت کے مطابق مسجد صرف نماز پڑھنے کے لیے نہیں ہوتی تھی بلکہ علم، فن اور ہنر کا بھی مرکز تھی۔ اس مسجد میں ہمارے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور آپ ﷺ کے خاندان کے کچھ تبرکات بھی موجود ہیں، مسجد کے اطراف میں دوسری مغلیہ عمارتوں کی طرح، باغ بھی ہے۔ اس میں ایک خوبصورت حوض ہے، جس کے چاروں اطراف سنگ مرمر کی چادریں ہیں، جن پر پانی گرتا ہے۔

مسجد کے اوپر سنگ مرمر کے تین گنبد ہیں، جن پر تانبے کی کلسیں چمکتی ہیں۔ سیڑھیاں گیارہ خوبصورت محرابوں تک جاتی ہیں جو سنگ مرمر اور سرخ پتھر کی بنی ہوئی ہیں۔ ان ہی محرابوں سے نماز گاہ میں داخلہ ہوتا ہے۔ یہاں دھوپ اور چھاؤں کا امتزاج نہایت دلکش معلوم ہوتا ہے، یہ دیوان نہایت شاندار اور پرسکون جگہ ہے۔ یہاں ہر طرف مختلف رنگوں میں دلفریب نقش و نگار بنے ہوئے ہیں اور قرآنی آیات بہترین خوشنویسوں کے وہ ہاتھ کی لکھی ہوئی ہیں۔

مسجد کے چاروں کونوں پر، سرخ پتھر کے، چار بلند مینار ہیں، ان میناروں میں اندر سے سیڑھیاں جاتی ہیں۔

## مسجد شاہجہاں یا شاہی مسجد

کہا جاتا ہے کہ اپنے والد کی زندگی میں شاہجہاں ٹھٹہ آیا تھا۔ مگر یہاں کا گورنر اس کا دشمن نکلا۔ حاکم کی دشمنی کے باوجود ٹھٹہ کے لوگوں نے شہزادے کا کھلے دل سے استقبال کیا۔ بادشاہ بننے کے بعد شاہ جہاں نے لوگوں کے خلوص کو یاد رکھا اور ۱۶۴۴ء میں نواب عبد البقا امیر خان کو، یہاں ایک خوبصورت مسجد بنانے کا حکم دیا۔

مسجد شاہ جہاں، دوسری مسجدوں سے ذرا مختلف ہے۔ اس میں نماز کے لیے ایک دیوان مشرقی حصے میں اور دوسرا مغربی حصے میں ہے۔ دو لمبے برآمدے، ایک شمالی اور دوسرا جنوبی سمت میں، ان دیوانوں کو ملاتے ہیں۔ برآمدوں کی محرابیں صحن میں کھلتی ہیں۔

یہ مسجد اپنے گنبدوں کی وجہ سے مشہور ہے۔ اس میں تقریباً ننانوے گنبد ہیں، جن کی



Marfat.com

وجہ سے امام کی آواز عمارت کے ہر حصے میں پہنچ جاتی ہے۔ ذرا سوچیے، اس زمانے میں جبکہ لاؤڈ اسپیکر نہیں ہوتے تھے، اس سے کتنی سہولت ہوتی ہوگی!

مسجد میں داخلہ، تین محرابوں سے ہوتا ہے۔ ہوا کے جھروکے، عمارت کو ٹھنڈا رکھتے ہیں۔ فرش مٹیالے رنگ کی اینٹوں کا ہے۔ اوپر کی طرف سفید اور نیلی خوبصورت ٹائلوں سے پھول پتیاں اور جیومیٹری کے نمونے بنے ہوئے ہیں۔ مسجد کی شان و شوکت دل پر اثر کرتی ہے۔ گنبد چمکدار، ستاروں سے، بھرے آسمان کا منظر پیش کرتے ہیں۔ ٹائلوں کے رنگ، ہلکے نیلے سبزی مائل گہرے بنفشی اور گہرے فیروزی ہیں۔

اندرونی حصہ سورج مکھی کے پھولوں کی شکل کا ہے۔ سورج چمکتا ہے تو دنیا کو روشنی پہنچاتا ہے، اس طرح نمازیں، لوگوں کے دلوں کو روشن کرتی ہیں اور راہ راست کی نشاندہی کرتے ہیں۔

## فیصل مسجد، اسلام آباد

فیصل مسجد، دو مسلمان ممالک، پاکستان اور سعودی عرب کے درمیان دوستی کی علامت ہے، بادشاہ اپنے ممالک میں خوبصورت عمارتیں بنواتے رہتے ہیں، لیکن شاہ فیصل نے پاکستان میں مسجد بنانے کی پیش کش کی۔ اس طرح یہ خوبصورت مسجد بنی۔

فیصل مسجد کے عقب میں مرگلہ کی پُرسکون پہاڑیاں ہیں۔ نیلے آسمان اور سبز پہاڑیوں کے سامنے یہ سفید مسجد عجیب دلکش سماں پیدا کرتی ہے۔ اسلام کا نشان ہلال مسجد کے اوپر نظر آتا ہے اور جس پر سونے کا پانی چڑھا ہوا ہے۔ یہ تانبے سے بنا ہوا دنیا کا سب سے بڑا ہلال ہے۔

ترکی کے مشہور معمار ویدات دیلقے (Vedat Delqay) نے اس مسجد کو وضع کیا۔ دیکھنے میں یہ بہت بڑا خیمہ معلوم ہوتی ہے۔

مسجد کے چار خوبصورت اور بلند و بالا مینار ہیں، جن کی اونچائی اٹھاسی میٹر ہے۔ سیاح لفٹ کے ذریعے اوپر جاتے ہیں۔ (یہاں سے پورا شہر نظر آتا ہے۔) صحن میں چکنے پالش کیے ہوئے پتھر کا فرش ہے، نیچے اسلامی یونیورسٹی کے طلبہ کے لیے کمرے ہیں۔

مسجد میں بہت سی غیر معمولی چیزیں بھی ہیں، جب آپ اندر داخل ہوتے ہیں، تو



Marfat.com

حیرت میں رہ جاتے ہیں، کیونکہ مسجد کی اس قدر عظیم اور وسیع چھت کو اٹھانے کے لیے کسی ستون کا سہارا نہیں لیا گیا ہے۔ گنبد سادہ ہے، لیکن ایک بڑا فانوس اس کے وسط میں لٹک رہا ہے۔ جس کی جگمگاتی ہوئی روشنیوں سے، رات کے وقت پوری مسجد روشن ہو جاتی ہے۔ آپ کی نظر فوراً محراب اور منبر پر پڑتی ہے۔ پاکستان کے مشہور فنونِ لطیفہ کے ماہر گل جی نے انہیں بنایا ہے۔ یہ محراب ان سب محرابوں سے، جواب تک بنی ہوئی ہیں، مختلف ہے۔ یہ ایک کھلی کتاب کی طرح ہے، کتاب کے دونوں صفحے کھلے ہوئے بازؤں کی طرح ہیں، گویا آنے والے کا استقبال کرتے ہیں۔

کھلی ہوئی کتاب قرآن میں اللہ کے فرمان کی نشاندہی کرتی ہے اقراء یعنی پڑھو۔

کتابی شکل کی محراب کے وسط میں حرف اللہ لکھا ہے، کتاب کے ورق سفید سنگ مرمر کے ہیں۔ جن پر سنہری حروف میں سورہ الرحمن کی آیات لکھی ہوئی ہیں۔ مسجد ایسی جگہ ہے جہاں لوگ ہر وقت آسانی سے آسکتے ہیں۔

## مسجد بھونگ شریف، رحیم یار خان

۱۹۳۰ء میں، رئیس غازی محمد نے اپنے گاؤں میں ایک چھوٹی سی خوبصورت مسجد بنوائی تھی۔ پھر ایک عالیشان محل اپنے لئے بنوانا شروع کیا۔ اس کو یہ خیال پریشان کر رہا تھا کہ، مسجد چھوٹی اور محل بڑا ہے۔ غازی محمد نے طے کیا اللہ کا گھر زیادہ بڑا اور خوبصورت ہو گا، لہٰذا اس نے ایک اور مسجد بنوانا شروع کی جو بڑی اور خوبصورت تھی۔

اللہ کے لیے غازی محمد کی اس جانفشانی میں خود غازی محمد ہی نہیں بلکہ سب ہی شریک تھے۔ تقریباً ایک سو ماہر کاریگر اور ایک ہزار مزدور کام پر لگائے گیے۔ آخر کار ۱۹۸۰ء میں بھونگ مسجد اور اس سے ملحق ادارے تیار ہو گئے۔

مسجد کی عمارت ایک باغ میں واقع ہے۔ اسلامی روایت کے مطابق عورتوں کے نماز پڑھنے کے لیے ایک علیحدہ ایوان، ایک کتب خانہ (لائبریری) ایک مدرسہ اور طلبہ کے لیے اقامت گاہ (ہوسٹل) بھی اس مسجد میں شامل ہیں۔ گنبد کا بیرونی حصہ سنگ مرمر کا ہے۔ اندرونی گنبد میں دھنک کے رنگ، اس کو خاص خوبصورتی اور چمک بخشتے ہیں۔

چھت اور گنبد میں پاکستانی پتھر، سنگ مرمر، لکڑی، ٹائلیں، شیشے اور آئینے استعمال



Marfat.com

ہوئے ہیں۔ دیواروں اور فرش پر پچکاری کی گئی ہے اور پھولوں کے نقش و نگار ہیں۔

ماہر کاریگروں نے، اس مسجد کو فن کا بے مثال نمونہ بنا دیا ہے۔ جیومیٹری کی اشکال اور بہترین خوش نویسی نے اور بھی چار چاند لگا دیئے ہیں۔ اس مسجد کو آغا خان کا انعام برائے فنِ تعمیر ملا۔ جنہوں نے اس کی تعریف کرتے ہوئے کہا۔ یہ فنِ تعمیر کا بہترین نمونہ ہے اور اسلامی جذبہ کا معنی خیز اظہار ہے۔

## ماخوذ از

ا:۔ انسائیکلوپیڈیا پاکستانیکا

2:۔ دنیا کی مشہور مساجد

***

Marfat.com

# آسمانی کتابیں

مشتاق علی شیخ

جماعت نہم

دنیا کے تین بڑے مذہب ہیں:

ا۔ اسلام          ب۔ عیسائیت          ج۔ ہندومت

پہلے نمبر پر اسلام ہے، جس کی کتاب قرآن مجید ہے۔

دوسرے نمبر پر عیسائیت ہے اور ان کی کتاب بائیبل ہے۔

اور تیسرے نمبر پر ہندومت اور ان کی مذہبی کتابوں میں مہابھارت اور دوسری کتابیں شامل ہیں۔

بائیبل لاطینی (Latin) زبان کا لفظ ہے اور اس کی معنی ہیں کتابوں کا مجموعہ، انگریزی میں بائیبل کو Leaves of Book کہا جاتا ہے۔

بائیبل کو دو حصوں میں تقسیم کیا گیا ہے:

ا۔ عہد نامہ عتیق Old Testamant

۲۔ عہد نامہ جدید New Testament

ا۔ عہد نامئہ عتیق (Old Testamenet)

عہد نامئہ عتیق کو عام طور پر توریت بھی کہا جاتا ہے۔ عہد نامہ عتیق میں ۳۹ کتابیں شامل ہیں اور ان کتابوں کو یہودیوں کے بزرگوں نے تقسیم کیا ہے:

(الف)۔ سفریم:۔

توریت میں پانچ مجموعے ہیں اور ان کو سفریم کہا جاتا ہے۔



Marfat.com

(ب)۔ پیدائش ۲۔ خروج ۳۔ احبار ۴۔ گنتی ۵۔ استثنا

(ج)۔ نبیم:

اس میں بنی اسرائیل کے انبیاء کی ۲۲ چھوٹی موٹی کتابیں شامل ہیں۔

III۔ کتبیم:

اس میں زبور اور دوسری بارہ کتابیں شامل ہیں۔

۲۔ عہد نامہ جدید (New Testament)

عہد نامئہ جدید میں پانچ انجیلیں ہیں۔

i۔ متی کی انجیل: یہ انجیل سب سے قدیم انجیل ہے اور ۸۰ع یا ۱۰۰ع میں لکھی گئی۔

Ii۔ مرقس کی انجیل

iii لوقا کی انجیل: یہ انجیل پہلی صدی عیسوی کے آخر میں لکھی گئی۔

iv یوحنا کی انجیل: یہ انجیل بھی پہلی صدی عیسوی کے آخر میں لکھی گئی۔ عام طور پر عیسائی صرف ان چار کو ہی مانتے ہیں۔

v برناباس کی انجیل:

اس انجیل کو عیسائی عام طور پر نہیں مانتے اس لیے کہ اس انجیل میں حضور ﷺ کی آمد کی پیشگوئی کی گئی ہے اور مورخین کا یہ خیال ہے کہ یہ انجیل ہی سب سے زیادہ صحیح انجیل ہے۔

***

Marfat.com